کرنل فریدی سیریز
ٹرنٹولا
مظہر کلیم
ایم اے
WWW.PAKISTANIPOINT.COM
پاکستانی پوائنٹ
PP

فریدی سیریز

ٹرنولا

مکمل ناول

مظہر کلیم ایم اے

کتب ملنے کا پتہ۔
یوسف برادرز
الحمد مارکیٹ
اردو بازار
لاہور
Mob:0300-9401919

اس ناول کے تمام نام، مقام، کردار، واقعات اور پیش کردہ سچوئیشنز قطعی فرضی ہیں۔ کسی قسم کی جزوی یا کلی مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کے لئے پبلشرز، مصنف، پرنٹرز قطعی ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

ناشر ——— محمد یوسف قریشی
اہتمام ——— محمد بلال قریشی
قانونی مشیران ——— غلام مصطفٰی قریشی ملتان
——— ملک محمد اشرف لاہور
طابع ——— پرنٹ یارڈ پرنٹرز لاہور
قیمت ——— 120/- روپے

چند باتیں

محترم قارئین۔ السلام علیکم! جھنگ صدر سے جناب منور رضا شاہ صاحب نے ایک دلچسپ خط ارسال کیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

”مظہر کلیم صاحب آپ عقلمند نہیں ہیں۔ آپ اپنی ذہانت کو جاسوسی ناولوں میں ضائع کر رہے ہیں۔ حالانکہ آپ کا طرز تحریر بے حد جاندار ہے۔ خدا کے لیے آپ جاسوسی ناول لکھنا بند کر دیں۔ رومانی، معاشرتی اور اصلاحی ناول لکھا کیجئے تا کہ آپ کا ادب میں کوئی مقام پیدا ہو سکے ورنہ آپ کی داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔ ہاں کبھی کبھی منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے جاسوسی ناول بھی ضرور لکھا کریں کیونکہ ہمیں آپ کے نئے ناول کا شدت سے انتظار رہتا ہے۔

خط آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ کتنا تضاد ہے محترم منور رضا شاہ صاحب کے خیالات میں۔ ایک طرف تو مجھے عقلمند نہیں سمجھتے۔ دوسری طرف ذہانت کے گن گانے کے بعد مشورہ دیتے ہیں کہ میں رومانی ناول لکھوں تا کہ ادب میں مقام پیدا کر سکوں۔ تیسرے انہیں میرے نئے جاسوسی ناول کا شدت سے انتظار بھی رہتا ہے۔ اب آپ مجھے مشورہ دیں کہ میں کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ اس خط سے ایک اور بات سامنے آتی ہے کہ جاسوسی ادب کے بارے میں ابھی لوگ ایک رائے

پر متفق نہیں ہو سکے۔ کچھ اسے ادب میں شمار کرتے ہیں اور کچھ نہیں کرتے۔ حالانکہ اس سے پہلے بہت سے مصنفین نے اس بارے میں بحث کی ہے اور جاسوسی ادب کو ادب میں شمار کرنے پر زور دیا ہے۔

رومانی ناولوں میں پلاٹ ایک سا ہی ہوتا ہے البتہ کردار بدل جاتے ہیں اور جاسوسی ناولوں میں کردار وہی ہوتے ہیں البتہ پلاٹ بدل جاتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہمارے ملک کا جاسوسی ادب چند مخصوص کرداروں کے مضبوط حصار میں مقید ہے لیکن آہستہ آہستہ یہ طلسم ٹوٹتا جا رہا ہے اور مجھے امید ہے کہ آئندہ چند سالوں میں نئے کرداروں کو زیادہ پسند کیا جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان میں ایسے ذہین مصنف موجود ہیں جو بہتر سے بہتر جاسوسی ناول پیش کر سکتے ہیں۔

موجودہ ناول ٹرنٹولا کے سلسلے میں عرض ہے کہ اس ناول پر میں نے بہت محنت کی ہے۔ اس لیے مجھے امید ہے کہ یہ ناول ہر لحاظ سے آپ کو پسند آئے گا۔

اب اجازت دیجئے۔

والسلام

مظہر کلیم۔ ایم اے

کیپٹن حمید کراہا لیکن ایک اور ضرب نے اسے کراہنے سے بھی دور کر دیا۔ کیونکہ اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ اسے ہوش آیا تو وہ ہسپتال میں پڑا تھا اور کرنل فریدی اس کے پاس بیٹھا ایک کتاب کے ورق الٹ رہا تھا۔

”شکر ہے تمہیں ہوش تو آیا۔“ ـــــ کرنل فریدی نے کتاب بند کرتے ہوئے کہا۔

”تو آپ کا خیال تھا کہ میں عالم بے ہوشی میں اس دارِ فانی سے کوچ کر کے حوروں سے ملاقات کرنے چلا گیا۔“ ـــــ حمید نے ہاتھ پر بندھی ہوئی پٹی کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

”خیر اتنے باغیرت تو تم نہیں۔“

”میں بے غیرت ہو یا باغیرت۔ ہوں تو آپ ہی کا ساتھی۔“

”ساتھی سمجھ کر ہی تو میں نے تمہارا سب انتظام کر دیا تھا۔ ورنہ

کارپوریشن والے کرتے۔'' ـــــ فریدی بھی آج خوشگوار موڈ میں تھا یا شاید حمید کی دلجوئی کے لیے کہہ رہا تھا۔

''سرافتخار کا کیا ہوا'' ـــــ حمید نے پوچھا۔

''ٹرنٹولا اسے گولی مار دینے میں کامیاب ہو گیا۔'' ـــــ فریدی نے جواب دیا۔

اتنے میں جگدیش ہاتھ میں فائل لئے اندر داخل ہوا۔ فریدی کو سلام کرنے کے بعد اس نے حمید پر ایک ہمدردانہ نظر ڈالی لیکن حمید نے اسے آنکھ مار دی۔ جگدیش مسکرا پڑا۔ فریدی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس کے ہاتھ سے فائل لے کر اس کے مطالعے میں مشغول ہو گیا۔ حمید کے ذہن میں وہ سارا منظر گھوم گیا جس کے نتیجے میں وہ آج سر اور ہاتھوں پر پٹیاں بندھوائے ہسپتال میں پڑا تھا۔

کل صبح ابھی حمید بستر پر ہی تھا کہ فریدی نے اس کا کمبل ایک جھٹکے سے اٹھا کر پھینک دیا۔

''کیا مصیبت ہے۔ اب سونا بھی حرام ہے۔'' ـــــ حمید نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

''سونا تو مردوں کے لیے واقعی حرام ہے۔ اگر تم عورت ہوتے تو شاید تمہیں سونا خرید کر دے دیتا۔'' ـــــ فریدی نے کہا۔

''اجی میں اس سونے کو کہہ رہا ہوں جس کا تعلق نیند سے ہے۔'' حمید نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

''جلدی اٹھو ورنہ ٹھنڈے پانی کی بالٹی انڈیل دوں گا۔ اٹھنے اور

تیار ہونے کے لیے آدھا گھنٹہ دیا جاتا ہے۔ ٹھیک آدھ گھنٹے بعد تم ناشتے کی میز پر نیچے پہنچ جاؤ ورنہ۔'' ـــــ یہ کہہ کر فریدی چلا گیا۔

''ورنہ حمید میاں کی دم۔'' ـــــ حمید نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''عجیب مصیبت ہے نوکری نہ ہوئی عذاب ہو گیا۔ نہ دن کو آرام اور نہ رات کو چین۔ بس ہر وقت کام کا بھوت سر پر سوار رہتا ہے۔ پتہ نہیں کیسے فولادی آدمی سے واسطہ پڑ گیا۔''

لیکن حمید کا وعظ سننے کے لیے وہاں صرف ٹائم پیس تھا۔ جو کم از کم حمید کے وعظ کی وجہ سے رک نہیں سکتا تھا۔ حمید نے جلدی سے دو تین انگڑائیاں لیں اور پھر بستر سے اتر کر غسل خانے کی طرف دوڑا۔ کیونکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر آدھے گھنٹے سے لیٹ پہنچا تو فریدی اسے وہ نفسیاتی سزا دے گا کہ مدتوں یاد رہے گی۔ وہ فریدی کی نفسیاتی سزاؤں سے بہت ڈرتا تھا۔ ایک دفعہ حمید کسی دوست کے ساتھ بار چلا گیا اور پھر اس کا بھی پینے کا موڈ بن گیا۔ چنانچہ جب رات کو گھر آیا تو ہلکا ہلکا خمار تھا۔ طبیعت جولانی پر تھی۔ ہونٹوں پر انگریزی دھن تھی۔ چنانچہ کپڑے تبدیل کئے بغیر جوتوں سمیت بستر پر سو گیا۔ صبح آنکھ کھلی تو خود کو کوڑے کے ایک ڈرم میں پایا اور سر کے بال غائب تھے۔ ایسی اور بھی نفسیاتی سزائیں تھیں جن کے ڈر سے ہی حمید کی جان ہوا ہوتی تھی۔ خیر ہاتھ پاؤں مار کر آدھے گھنٹے میں وہ ناشتہ کی میز پر پہنچ گیا۔

وہاں فریدی بڑے اطمینان سے بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ حمید کی جان ہی چلی گئی۔

"اگر آپ کو نیند نہیں آتی تو کم از کم مجھ غریب کو تو سو لینے دیا کیجئے۔" ـــــ حمید نے میز پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

لیکن فریدی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ وہ اسی طرح مطالعے میں مصروف رہا۔

"یہ کیپٹن حمید الو کا پٹھا کیا فرما رہا ہے۔" ـــــ حمید نے تقریباً چلاتے ہوئے کہا۔

"جو اس کے کیپٹن فرمایا کرتے ہیں۔" ـــــ فریدی نے اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"کس قسم کے۔" ـــــ حمید نے بغور فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جس قسم کے تم ہو۔" ـــــ اور یہ کہہ کر فریدی نے ناشتہ کرنا شروع کر دیا اور حمید ناشتہ تیزی سے ختم ہوتا ہوا دیکھ کر آخر بے شرموں کی طرح ناشتہ پر ڈٹ گیا۔

"حمید۔"

"ہوں۔" ـــــ حمید نے نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ خبر پڑھو۔" ـــــ فریدی نے اخبار حمید کو دیتے ہوئے کہا۔

فریدی کے چہرے پر انتہائی سنجیدگی دیکھتے ہوئے حمید نے بھی سنجیدگی سے اخبار پر نظر ڈالی لیکن سرخی پر نظر پڑتے ہی وہ چونک پڑا۔ پلیٹ کی طرف جاتا ہوا اس کا ہاتھ رک گیا۔ وہ ہمہ تن خبر میں گم ہو گیا۔ خبر تھی بھی سنسنی خیز اور حیرت انگیز۔

میونسپل کارپوریشن کے چیئرمین سرافتخار کو آج رات قتل کر دیا جائے گا۔

کل صبح اخبار کے دفتر میں ایک خط موصول ہوا۔ جس میں کسی ٹرنٹولا نامی مجرم نے مندرجہ ذیل عبارت لکھی تھی۔

"میں عوام، پولیس اور اعلیٰ حکام کو آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ اب روز حساب آ پہنچا ہے۔ حکومت کے کارندوں کو عوام کا خون چوسنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اب ان سے ہر بات کا پورا پورا حساب لیا جائے گا۔ جو وعدہ وہ عوام سے کریں گے انہیں مقررہ مدت میں پورا کرنا پڑے گا ورنہ انہیں گولی مار کر ہلاک کر دیا جائے گا۔ سرافتخار چیئرمین میونسپل کارپوریشن نے آج سے ایک مہینہ پہلے ایک پریس کانفرنس میں عوام سے وعدہ کیا تھا کہ وہ شہر کی تمام سڑکوں کی ایک مہینے کے اندر مرمت کروا دیں گے۔ آج ان کے وعدہ کو پورا ایک مہینہ ہو چکا ہے لیکن ابھی تک ایک سڑک کی مرمت بھی نہیں ہو سکی۔ ہو سکتا ہے چیئرمین صاحب کو اپنا وعدہ بھول گیا ہو لیکن ٹرنٹولا جو کہ عوام میں سے ہے اور عوام کے مفادات کا نگران ہے۔ یہ وعدہ نہیں بھول سکتا۔

چنانچہ عوامی قانون کے مطابق انہیں آج رات
بارہ بج کر تین منٹ پر گولی ماردی جائے گی تاکہ
دوسروں کو عبرت ہو۔ اور وہ آئندہ عوام سے
جھوٹے وعدے کرنے کی جرأت ہی نہ کریں۔''

فقط

عوام کے مفادات کا نگران

ٹونٹولا

آگے اخبار والوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ ہم یہ خط اس لیے شائع کر رہے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ کسی منچلے کی شرارت ہو اور ہوسکتا ہے ہمارے درمیان کوئی خطرناک مجرم ''ٹرنٹولا'' موجود ہو۔ چنانچہ عوام اور پولیس اس سے ہوشیار رہیں۔ قانون کو ہاتھ میں لینے والا دشمن عوام کا خادم نہیں ہوسکتا۔

حمید نے خبر ختم کر کے فریدی کی طرف دیکھا تو وہ غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''کیا خیال ہے۔''۔۔۔۔۔۔ فریدی نے پوچھا۔

''میرے خیال میں یہ کسی منچلے کی شرارت ہے۔ جس نے خواہ مخواہ پولیس اور ہمیں تنگ کرنے کے لیے یہ شوشہ چھوڑا ہے۔''۔۔۔۔۔۔ حمید نے آنے والے چکر سے بچنے کے لیے کہا۔

''اور پڑھو۔''۔۔۔۔۔۔ فریدی نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر حمید کو دیتے ہوئے کہا اور حمید لفافہ دیکھتے ہی آئی مصیبت کا ورد کرنے

لگا۔ لفافہ میں سے نکلنے والے کاغذ پر سادہ لفظوں میں تحریر تھا۔

''مسٹر فریدی۔

امید ہے آج کے اخبار میں تم نے سرافتخار کے
متعلق خبر پڑھ لی ہوگی۔ یہ کسی منچلے کی شرارت
نہیں بلکہ میرا چیلنج ہے۔ میں ایک بات سے
تمہیں پہلے ہی آگاہ کرنا چاہوں گا کہ میں یہ
سب کچھ عوام کی بھلائی کے لیے کر رہا ہوں۔
اس لیے اگر تمہیں عوام کی بھلائی مقصود ہو اور تم
میرے اصول کے طرف دار ہو تو آج رات
سرافتخار کی کوٹھی پر مت موجود ہونا ورنہ تم بھی
میری بلیک لسٹ میں آجاؤ گے اور پھر تمہارا بھی
وہی حشر ہوگا جو آج رات سرافتخار کا ہونا ہے۔''

ٹرنٹولا

حمید نے خط ختم کر کے ایک طویل سانس لی۔ کیونکہ اسے نظر آرہا تھا کہ اب یہ ایک اور چکر چل پڑا ہے۔

''کیا خیال ہے ٹرنٹولا کا چیلنج قبول کر لیں۔''۔۔۔۔۔۔ فریدی نے حمید کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا ضرورت ہے۔ آخر وہ بھی عوام کا طرفدار ہے اور یہ سب کچھ عوام کی بھلائی کے لیے کر رہا ہے اور ہم بھی عوام کے خادم کہلواتے ہیں۔ اس لیے اس سے مقابلے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''۔۔۔۔۔۔ حمید

نے ٹرنٹولا کی طرفداری کرتے ہوئے کہا۔

''تو کیا اسے سرافتخار کو گولی مار لینے دیں۔''

''آخر حرج ہی کیا ہے۔ سرافتخار نے بھی تو عوام سے وعدہ پورا نہیں کیا۔''

''وعدہ پورا نہ کرنے کا مطلب یہ تو نہیں کہ انہیں جان سے مار دیا جائے اور ہوسکتا ہے کہ اس مہینے کوئی اور انتہائی ضروری کام نکل آیا ہو۔ سڑکیں تو بعد میں بھی بنوائی جاسکتی ہیں اور پھر ٹرنٹولا کو کس نے یہ حق دے دیا ہے کہ وہ قانون کو ہاتھ میں لے۔ آخر اسے عوام کے مفادات کا ٹھیکیدار بنایا کس نے ہے۔''

''خیر خیر آپ ناشتہ کیجئے۔ آپ کو تو جاسوس کی بجائے لیڈر ہونا چاہیے تھا۔ وہ دھواں دھار تقریریں کرتے کہ مجمع پھولوں کے ہاروں سے لاد دیتا۔'' ـــــ حمید نے جان چھڑاتے ہوئے کہا۔

ناشتہ ختم ہونے کے بعد فریدی نے کیپٹن حمید کو گاڑی نکالنے کو کہا اور خود اندر ٹیلی فون کرنے چلا گیا۔ حمید گاڑی گیراج سے نکال کر پورچ میں لے آیا تو کرنل فریدی بھی آ کر بیٹھ گیا۔

''کدھر چلوں۔''

''کارپوریشن کے دفتر۔''

''کیوں۔ سرافتخار کو مرنے سے پہلے ایک بار دیکھنا چاہتے ہو۔''

حمید نے عجیب لہجے میں کہا۔ فریدی اس کے لہجے سے چونک اٹھا۔

''تو کیا تمہارا خیال ہے کہ مجرم آج رات ضرور سرافتخار کو گولی مار

دے گا۔''

''میری پیشہ وارانہ زندگی میں تو یہی چلا آیا ہے کہ مجرم پہلے دو تین قتل کر کے چونکہ کافی ہوشیار ہوتا ہے اس لیے کامیاب ہو جاتا ہے۔''

حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

''نہیں حمید صاحب۔ ہم آج رات سرافتخار کی کوٹھی پر پہرہ دیں گے۔ میں دیکھوں گا مجرم کس طرح سرافتخار کو ختم کرتا ہے۔''

اور حمید کے دیوتا کوچ کر گئے۔ اس سردی میں ساری رات کی نگرانی کے تصور سے ہی اس کی جان نکلتی تھی اور پھر آج رات تو اس کا ہوٹل شہزار زاد میں پروگرام تھا لیکن اب یہ سب کچھ ملیا میٹ ہو گیا اور وہ دل ہی دل میں ٹرنٹولا کو گالیاں دینے لگا۔

''کیوں حمید صاحب۔ سانپ کیوں سونگھ گیا۔'' ـــــ فریدی نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''سونگھنے کی بات نہیں۔ میں تو رات کو اونگھنے کے پروگرام پر غور کر رہا ہوں۔''

''دیکھو حمید۔ آج رات ہمیں بہت زیادہ ہوشیار رہنا اور چوکنا ہو کر نگرانی کرنا پڑے گی۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ آج ہی رات ہم مجرم پر ہاتھ ڈال دیں ورنہ بعد میں معلوم نہیں اس کو گرفتار کرنے کے لیے کتنے پاپڑ بیلنے پڑیں۔ اس لیے تمہیں اپنی ڈیوٹی پوری ذمہ داری اور ہوشیاری سے دینی ہوگی۔''

''میں تو کہتا ہوں اس سردی میں نگرانی کرنے کے بجائے کہیں بیٹھ

کر پاپڑ بیلنا آسان ہے۔"

ابھی فریدی کوئی جواب نہ دینے پایا تھا کہ کار کارپوریشن کے دفتر پہنچ گئی۔فریدی اور حمید کار سے اتر کر سرافتخار کے آفس کی طرف بڑھے۔ چپڑاسی جو شاید انہیں پہچانتا تھا۔اس نے جلدی سے سلام کر کے چِک اٹھا دی۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئے تو سرافتخار انہیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے خوش اخلاقی سے ان کے ساتھ ہاتھ ملایا لیکن ان کے چہرے پر خوف کے دبے دبے آثار گہری نظریں رکھنے والے کو یقیناً نظر آ گئے تھے۔

"سرافتخار ہم اس اشتہار کے سلسلے میں حاضر ہوئے ہیں۔"فریدی نے بیٹھتے ہی سوال داغ دیا۔

سرافتخار ایک طویل سانس لے کر کرسی پر بیٹھ گئے۔ چند لمحے بعد ان کے چہرے پر زردی کی دو تین لہریں پیدا ہوئیں لیکن پھر آہستہ آہستہ طمانیت کے آثار پیدا ہوتے گئے۔

"کرنل صاحب۔ میرے خیال میں یہ کسی منچلے کی شرارت ہے۔" سرافتخار نے فریدی کو جواب دیا۔اتنے میں چپڑاسی چائے لے کر آ پہنچا۔ اس نے چائے بنا کر سب کے آگے رکھ دی۔

"آپ کے دل میں اس خیال کے پیدا ہونے کی وجہ۔"فریدی نے چائے کی پیالی اٹھاتے ہوئے کہا۔

"بظاہر تو کوئی وجہ نہیں۔ ویسے میرا اندازہ ہے کیونکہ کسی کو کیا پڑی کہ خواہ مخواہ لوگوں کو قتل کرتا پھرے۔"

"کیا آپ کی کوٹھی میں تہہ خانے ہیں۔"——فریدی نے اچانک پوچھا۔

"ہاں لیکن آپ کو کیسے اندازہ ہوا۔"——سرافتخار نے چونکتے ہوئے کہا۔

تہہ خانے کا لفظ سن کر حمید بھی چونکا لیکن پھر چائے کا گھونٹ منہ میں ڈال کر ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا۔ کیونکہ اس کے خیال میں یہ سوال جواب دنیا کا سب سے بور کام ہے۔ یہ سوال جواب تو فون پر بھی کئے جا سکتے تھے۔خواہ مخواہ دوڑے چلے آئے۔

"کچھ نہیں ویسے خیال آ گیا تھا۔ اچھا اب اجازت دیجئے۔ بہرحال آج میں چند سپاہیوں کو آپ کی کوٹھی پر تعینات کر دوں گا اور رات کو بارہ بجے ہم خود بھی پہنچ جائیں گے۔اس لیے آپ بے فکر رہیں۔ امید ہے یہ کسی کی شرارت ہی ہو گی۔"

"لیکن آپ لوگ کیوں تکلیف کریں گے۔ میں خود ہی نپٹ لوں گا۔"——سرافتخار نے کھڑے ہو کر ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔لیکن اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ یہ سب کچھ رسمی طور پر کہہ رہے ہیں۔ دراصل وہ چاہتے تھے کہ کرنل فریدی اور حمید وہاں موجود رہیں۔

"نہیں تکلیف کیسی۔ یہ ہماری ڈیوٹی ہے۔ اچھا خدا حافظ۔" کرنل فریدی نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"خدا حافظ۔"——سرافتخار نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی کی کار مین روڈ پر تیزی سے دوڑ رہی تھی۔

"یہ سوال جواب تو آپ فون پر بھی کر سکتے تھے۔"——حمید نے دل کی بات کہہ ہی ڈالی۔

"تمہاری عقل پر تو شہد کی مکھیوں نے چھتہ لگا رکھا ہے۔ اگر مجرم نے سرافتخار کا فون ٹیپ کر رکھا ہوا تو پھر۔"

"میری عقل پر شہد کی مکھیوں کا تو نہیں البتہ حوا کی بیٹیوں کا چھتہ ضرور ہے۔"——حمید نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"اسی لئے تو تم روز بروز نکمے ہوتے جا رہے ہو۔"

"تو اب آپ ڈاکٹر بھی بن گئے۔"——حمید نے فریدی کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا مطلب۔ یہ ڈاکٹری کہاں سے ٹپک پڑی۔"——فریدی نے چونک کر پوچھا۔

"آپ نے ابھی کہا نہیں کہ تم روز بروز کمزور ہوتے جا رہے ہو۔ آپ کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہوا کہ میں آپ کے اصلی جدی پشتی دواخانے رجسٹرڈ کی مایہ ناز معجون استخدوس استعمال کروں۔ امید ہے دو دن بعد ہی چہرے پر نکھار، آنکھوں میں روشنی، ہونٹوں پر لالی، عقل پر پتھر اور جیب خالی ہو جائے گی۔"——حمید نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"اب تمہاری بکواس شروع ہو گئی۔ میں نے تمہیں کمزور کب کہا تھا۔ میں نے تو تمہیں کہا تھا کہ نکمے ہوتے جا رہے ہو۔"

"اوہو۔ معاف کیجئے میں بھول گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے

آپ کے دواخانے کی گولی ہرن رفتار استعمال کرنی چاہیے۔ جس سے مجھ میں شیر کی طاقت، چیتے کی پھرتی برق سی تیزی۔"

"حمید مجھے یہ بے وقت کی راگنی اچھی نہیں لگتی۔"——فریدی نے اس کی بات کاٹ کر سنجیدگی سے کہا۔

"اجی راگنی نہ ہوئی ٹائم پیس ہو گئی کہ وقت پر الارم بجائے۔"

"تم خاموش نہیں رہ سکتے۔"——فریدی کی آنکھوں میں سرخی آنے لگی۔ شاید وہ کسی اہم موضوع یا نکتے پر غور کر رہا تھا۔

"لیجئے بندہ نواز میں خاموش۔ میری سات پشتیں خاموش اور سات پشتیں آئندہ آنے والی چپ خاموش بلکہ بالکل خاموش بس اب تو آپ خوش ہیں۔"——اور فریدی کو اس کی یہ خاموشی سن کر ہنسی آ گئی۔

"تمہیں تو کیپٹن ہونے کی بجائے کہیں بھانڈ ہونا چاہیے تھا۔ خاموش ہوتے ہوتے بھی بیس فقرے بول دیئے۔"

لیکن حمید نے جواب نہ دیا بلکہ چہرے پر کچھ برہمی کے آثار لیے کار چلاتا رہا۔ فریدی نے غور سے حمید کی طرف دیکھا اور بولا۔

"برخوردار برا مان گئے۔"

"لیجئے اب خاموش ہوا ہوں تو لاڈ ہونے لگ گئے۔"

اتنے میں کار دفتر پہنچ گئی۔ فریدی اور حمید کار سے اترے اور اپنے آفس میں چلے گئے۔ فریدی تو جاتے ہی اپنی بلیک فورس کو فون کرنے میں مصروف ہو گیا اور حمید نے ایک موٹی سی فائل اٹھائی اور اس کے

مطالعے میں مصروف ہو گیا۔ حالانکہ فائل کے اندر عورتوں کے دلکش فوٹو
تھے جن کے جسموں کے حسین اور دلکش زاویوں پر حمید صاحب غور فرما
رہے تھے۔

فریدی نے ٹیلی فون سے فرصت پا کر حمید کی طرف دیکھا اور پھر
ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔

''حمید میں ایک جگہ کام جا رہا ہوں۔ تم رات کو دس بجے سرافتخار کی
کوٹھی پر پہنچ جانا۔ میں وہیں ہوں گا۔''۔۔۔۔۔یہ کہتے ہوئے فریدی خود
باہر چلا گیا۔

فریدی کے جاتے ہی حمید نے ایک طویل سانس لے کر فائل رکھ
دی اور خود اب سے رات کے دس بجے تک کے پروگرام پر غور کرنے
لگا۔ پہلے تو اس نے سوچنا شروع کر دیا کہ یہ ٹرنٹولا آخر چاہتا کیا ہے۔
بظاہر تو اسے کوئی ایسی وجہ نظر نہیں آ رہی تھی کہ جس سے سرافتخار کو قتل کر
کے مجرم فائدہ اٹھا سکتا۔ پھر آخر ٹرنٹولا سرافتخار کو قتل کیوں کرنا چاہتا
ہے۔ بہرحال کافی دیر وہ اس موضوع پر اپنا دماغ خرچ کرتا رہا لیکن
کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ آخر اس نے سر جھٹک کر خیالات کا رخ موڑنے
کی کوشش کی اور کافی حد تک کامیاب ہو گیا۔ پھر بور ہو کر وہ دفتر سے
اٹھا اور ٹیکسی پکڑ کر ہوٹل شہزاد چلا گیا۔

رات کے دس بجے جب وہ سیٹلائٹ ٹاؤن میں سرافتخار کی کوٹھی پر
پہنچا تو چاروں طرف سناٹا تھا۔ اس علاقے میں چونکہ بڑے بڑے
افسروں کی کوٹھیاں تھیں۔ کوٹھیاں چونکہ کافی وسیع و عریض تھیں اور ان

کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ سردیوں میں رات کے دس بجے عموماً سکوت
چھا جاتا ہے۔ خاص طور سے ان علاقوں پر تو رات کے وقت گھمبیر
سناٹا چھایا رہتا ہے۔

وہ محتاط تھا کہ ہو سکتا ہے کہ ٹرنٹولا نے اپنے کچھ افراد کو کوٹھی کے
اردگرد نگرانی کے لیے لگا رکھا ہو تاکہ حفاظتی انتظامات کو چیک کیا جائے
لیکن وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔ حمید نے کوٹھی کے چاروں طرف چکر
لگایا۔ آخر وہ کوٹھی کی پشت پر آ کر کھڑا ہو گیا اور سوچنے لگا کہ اب کیا
کیا جائے۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے نزدیک ہی کسی درخت
سے الو کی آواز سنائی دی۔ اس نے فوراً جواباً الو کی آواز نکالی کیونکہ وہ
سمجھ گیا تھا کہ یہ فریدی کی طرف سے خفیہ اشارہ ہے۔ ورنہ یہاں
آبادی میں الو کہاں سے آ گیا۔ چند لمحوں بعد ایک درخت کی آڑ سے
فریدی نکل کر اس کے سامنے آ گیا۔

''حمید میرے ساتھ آؤ۔''۔۔۔۔۔فریدی یہ کہتا ہوا آگے نکل گیا۔

حمید فریدی کے پیچھے پیچھے خاموشی سے چل پڑا تھا۔ کوٹھی کے بائیں
طرف آ کر فریدی نے ایک جست لگائی اور دیوار پر چڑھ کر اندر کود
گیا۔ حمید نے بھی نقل کی اور پھر دونوں کوٹھی کے اندر پہنچ گئے۔ سامنے
والا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ حمید اور فریدی اس میں سے گزرتے ہوئے
ایک راہداری میں پہنچ گئے۔ اس راہداری میں پانچ کمرے تھے۔ کونے
والے کمرے کے روشندان سے روشنی چھن چھن کر باہر نکل رہی تھی۔
فریدی اس کمرے کے دروازے پر جا کر رک گیا۔ اس نے دروازے

پر تین بار مخصوص دستک دی تو دروازہ کھل گیا۔ کھولنے والے سرافتخار تھے جن کا چہرہ اس وقت زرد ہو رہا تھا۔ فریدی نے انہیں تسلی دی۔

''سرافتخار آپ گھبرائیں نہیں۔ میں نے مکمل انتظام کر دیا ہے۔ اگر ٹرنٹولا واقعی کوئی مجرم ہے تو آج رات وہ یقینا پکڑا جائے گا۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔''۔۔۔۔ سرافتخار نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''حمید تم اس کمرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر پہرہ دو گے اور میں اندر سرافتخار کے پاس رہوں گا۔''۔۔۔۔ فریدی نے حمید سے مخاطب ہو کر کہا۔

حمید کو فریدی پر بہت غصہ آیا لیکن سرافتخار کی وجہ سے خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

''مجھے فریدی صاحب نے کیا فالتو سمجھ رکھا ہے کہ جہاں عذاب کی جگہ ہو مجھے آگے کر دیا۔ اب خود تو گرم کمرے میں بیٹھ کر سرافتخار سے باتیں کریں اور ہم باہر ٹھنڈی ہوا میں کھڑے اپنی قسمت کو کوستے رہیں۔''

''جاؤ حمید کیا سوچ رہے ہو۔''۔۔۔۔ فریدی نے حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور ہاں دیکھو پوری ذمہ داری اور ہوشیاری سے نگرانی کرنا۔ راہداری کا خیال رکھنا لیکن دروازے کے اندر کسی حالت میں داخل نہ ہونا۔''۔۔۔۔ فریدی نے لمبا چوڑا لیکچر پلا دیا اور حمید بے بسی سے منہ

لٹکائے دروازے سے باہر نکل آیا۔

فریدی نے دروازہ اندر سے بند کر کے چٹخنی چڑھا دی اور پھر روشنی بھی بجھ گئی۔ اب حمید بالکل اندھیرے میں تھا۔ راہداری میں ٹھنڈی ہوا کافی زور شور سے چل رہی تھی اور حمید کونے میں اپنے ہاتھ اوورکوٹ کی جیبوں میں ڈالے خاموشی سے کھڑا تھا۔ اس وقت اس کی کلائی کی گھڑی نے گیارہ بجائے۔ ابھی ٹرنٹولا کے دیئے ہوئے ٹائم کے مطابق ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر واقعی یہ کوئی مذاق ہوا تو یہ چوٹ بھی ساری عمر یاد رہے گی لیکن فریدی جس طرح سنجیدہ تھا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ معاملہ ضرور کچھ گڑبڑ ہے اور فریدی کے اندیشے تقریباً صحیح نکلتے ہیں۔ اب سردی کافی لگ رہی تھی۔ چنانچہ اس نے آہستہ آہستہ دیوار کے ساتھ ساتھ راہداری میں چلنا شروع کر دیا۔ چلتا چلتا وہ راہداری کے دروازے سے باہر نکل آیا۔ کوٹھی کا لان خاموش تھا۔ ہر طرف سناٹے کی حکمرانی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ راہداری کے اندر آ گیا۔ اسی طرح ٹہلتے ٹہلتے کافی وقت گزر گیا۔ جب گھڑی نے باقاعدہ بارہ کے بعد ساڑھے بارہ کا الارم بجایا تو حمید چونک پڑا۔ اس وقت وہ راہداری کے دروازے پر باہر کھڑا تھا۔ ٹرنٹولا نے یہی وقت بتایا تھا۔ اس کے اعصاب تن گئے اور وہ جلدی سے راہداری کے اندر گھس کر ایک دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ پستول کے دستے پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی۔ ایک نظر اس نے کونے کے کمرے کی طرف دیکھا۔ وہاں مکمل تاریکی تھی۔ نجانے فریدی اندر کیا کر رہا تھا۔

اچانک اس کے حساس کانوں میں ایک ہلکے سے دھماکے کی آواز آئی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی چار دیواری کو پھاند کر اندر آیا ہو۔لیکن پھر خاموشی چھا گئی۔اس نے قدموں کی چاپ سننے کی بے حد کوشش کی لیکن کچھ بھی نہ تھا۔ اس نے دھماکے کو اپنا وہم سمجھ کر ٹالنے کی کوشش کی۔ چنانچہ وہ دوبارہ کونے والے کمرے کی طرف جانے لگا۔ اچانک اس کے سر پر جیسے پہاڑ سا ٹوٹ پڑا۔وہ کراہ کر پلٹا لیکن فوراً ہی دوسری ضرب پڑی اور پھر اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوب گیا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو ہسپتال میں پڑے پایا اور اب فریدی اسے بتا رہا تھا کہ ٹرنٹولا نے سرافتخار کو گولی مار دی ہے۔

''آخر کیسے آپ بھی تو سرافتخار کے پاس کمرے میں موجود تھے۔'' حمید نے تعجب سے پوچھا۔

''نہیں۔ ہم کمرے میں موجود نہیں تھے۔ میں سرافتخار کو ایک تہہ خانے میں لے گیا تھا۔تمہیں یاد ہوگا کہ سرافتخار سے ان کے دفتر میں میں نے تہہ خانے کے متعلق پوچھا تھا۔ چنانچہ ایسے ہی ایک تہہ خانے میں جس کا راستہ اس کمرے میں سے جو سرافتخار کی خوابگاہ تھی جاتا تھا۔ چھوڑ آیا اور خود واپس اسی کمرے میں ایک صوفے کے پیچھے بیٹھ گیا۔ ساڑھے بارہ بجے کے چند منٹ بعد مجھے دروازہ آہستہ آہستہ کھلتا نظر آیا۔ میں منتظر تھا کہ مجرم اندر آئے لیکن وہ باہر کھڑا رہا۔ میں سمجھ گیا کہ مجرم نے تمہیں بے ہوش کر دیا ہے۔ اسی لئے وہ اطمینان سے دروازے پر کھڑا تھا۔ بہرحال دروازے سے ایک ہاتھ اندر آیا۔ اس میں ٹارچ تھی۔ اس نے ٹارچ جلا کر سارے کمرے کو دیکھا۔ میں نے بستر پر تکیئے رکھ کر اسے ایسا بنا دیا تھا کہ جیسے کوئی آدمی بستر پر لیٹا ہو ہو۔ خیر ٹارچ کا دائرہ اس بستر پر محدود ہو گیا۔ پھر ٹارچ بجھ گئی اور دوسرا ہاتھ اندر آیا۔ اس ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس کی نال پر سائیلنسر لگا ہوا تھا۔ کٹک کی آواز آئی اور گولی بستر میں گھس گئی۔ میرے پستول سے شعلہ نکلا اور اس کا ریوالور ہوا میں اڑ گیا۔ میں اٹھ کر دروازے کی طرف گیا تاکہ مجرم کو پکڑ سکوں لیکن اس نے پھرتی سے دروازہ بند کر کے باہر سے کنڈی چڑھا دی اور پھر راہداری میں بھاگتے ہوئے قدم گونجنے لگے۔ میں بے بس تھا لیکن میں نے جیب سے ٹرانسمیٹر نکال کر بلیک فورس کو کال کی جو کوٹھی کے گرد پہرہ دے رہی تھی۔انہیں الرٹ کر کے میں جب تہہ خانے میں پہنچا تو سرافتخار مر چکے تھے اور ان کے جسم پر ایک کارڈ پڑا ہوا تھا۔ جس پر ایک خوفناک مکڑی بنی ہوئی تھی۔اس مکڑی کو ٹرنٹولا کہتے ہیں۔''

''لیکن وہ اس تہہ خانے میں پہنچا کیسے۔''۔۔۔۔۔حمید نے سوال کیا۔

''دراصل اس تہہ خانے کا ایک اور بھی راستہ تھا جو خوابگاہ کے ساتھ والے کمرے سے آتا تھا۔ جس کی بابت شائد گھبراہٹ میں سرافتخار نے مجھے نہیں بتایا۔ دراصل مجرم نے ایک خوبصورت نفسیاتی چال چلی کہ اس کے ایک آدمی نے خواب گاہ میں آکر مجھے الجھائے رکھا اور دوسرے نے ساتھ والے کمرے سے داخل ہو کر تہہ خانے میں سرافتخار

کو قتل کر دیا۔"

"لیکن ٹرنٹولا کو ہمارے پروگرام کا پتہ کیسے چلا۔"

"مجرم سے پوچھ کر بتاؤں گا۔"۔۔۔۔۔۔فریدی نے کہا اور حمید اپنے اس بے تکے سوال پر جھینپ کر رہ گیا۔

سر افتخار کے قتل کو اخبارات نے خوب اچھالا تھا۔ جس سے ملک میں ہر طرف ہلچل مچی ہوئی تھی۔ لوگوں کی زبان پر ٹرنٹولا چھایا ہوا تھا۔ لوگ اس کے مقاصد پر مختلف تبصرے کر رہے تھے۔ ادھر عوام کے ساتھ ساتھ حکومت میں بھی بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ سر افتخار کا اس پراسرار طریقے سے قتل ہو جانا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ فریدی پر حکام بار بار زور دے رہے تھے کہ وہ ٹرنٹولا کو روشنی میں لے آئے۔ فریدی انہیں تسلیاں دے دے کر جھنجھلا چکا تھا۔ بہر حال ابھی یہ ہلچل جاری تھی کہ ٹرنٹولا کی طرف سے ایک اور دھمکی موصول ہو گئی۔ جس سے بے چینی عروج پر پہنچ گئی۔ یہ دھمکی وزیر خارجہ جناب فرقان احمد کے قتل کے سلسلے میں تھی۔ اس سے حکام میں بے چینی کے ساتھ ساتھ افراتفری بھی پھیلنے لگی۔ پورے ملک کی سیکرٹ سروس اور فوج کو الرٹ کر دیا گیا۔ پہلے دھمکی ان بڑے بڑے پوسٹروں سے ظاہر ہوئی تھی جو راتوں رات شہر کے تقریباً ہر چوک پر چسپاں کر دیئے گئے تھے۔ دوسرے دن ملک کے تقریباً تمام اخبارات میں ٹرنٹولا کے خطوط شائع ہو گئے۔ پوسٹروں اور خطوط کے مضامین یکساں تھے۔

"میں عوام، پولیس اور حکام کو آگاہ کر دینا چاہتا

ہوں کہ ہمارے ملک کے وزیر خارجہ جناب فرقان احمد نے ملک کی خارجہ پالیسی کو ان خطوط پر استوار کیا ہے جو سراسر عوام کے مفادات کے خلاف ہے۔ وہ بڑے بڑے سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور شورش پسند سیاست دانوں کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن چکے ہیں۔ ان کی پالیسی سے جہاں اندرونی طور پر عوام کے مفادات کو نقصان پہنچا ہے وہاں بین الاقوامی امور میں بھی ہماری ساکھ گر چکی ہے۔ کوئی ملک بھی تہہ دل سے ہمارے ساتھ نہیں رہا۔ ہمارا ملک سرمایہ داروں کی جھولی میں پکے ہوئے آم کی طرح گر چکا ہے۔ جس سے کسی وقت بھی ملک کی سالمیت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

جہاں تک میرے علم میں ہے اس کی تمام تر ذمہ داری وزیر خارجہ پر عائد ہوتی ہے۔ اس لیے عوام کے نگہبان ہونے کی حیثیت سے میرا یہ فرض ہے کہ میں ایسے وزیر خارجہ سے عوام کو نجات دلاؤں۔ اس لیے آج سے ٹھیک پانچ دن بعد رات کے ساڑھے بارہ بجے وزیر خارجہ کو قتل کر دیا جائے گا تاکہ دوسروں کو عبرت ہو اور ملک کی

حالتِ سدھر سکے۔"

عوام کے مفادات کا نگران

ٹرنٹولا

ان پوسٹروں اور اخباری بیان نے ملک میں تہلکہ مچا دیا۔ سر افتخار کی موت ابھی لوگوں کو بھولی نہیں تھی۔ ہر طرف چیخ و پکار تھی۔ سڑکوں پر ہوٹلوں پر، کلبوں میں اور دفتروں میں ٹرنٹولا ہی موضوع گفتگو بنا ہوا تھا۔ ملک میں ایک ایسا گروہ بھی پیدا ہو گیا تھا جس کی ہمدردیاں ٹرنٹولا کے ساتھ تھیں۔ان میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جو کسی نہ کسی طریقے سے حکومت کے زخم خوردہ تھے۔ حکومت ان پے در پے واقعات سے گھبرا گئی۔ چنانچہ صدر مملکت نے ایک ہنگامی میٹنگ میں یہ کیس کرنل فریدی کے سپرد کر دیا اور زور دیا کہ مجرم کو جلد از جلد گرفتار کیا جائے۔

قاسم نے اپنی لمبی سی نئی گاڑی ہوٹل کہکشاں کے کمپاؤنڈ میں روک دی اور پھر ہلکی ہلکی سیٹی بجاتا ہوا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ آج وہ بہت خوشگوار موڈ میں تھا کیونکہ حمید نے اس سے وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ کہکشاں ہوٹل میں ایک تگڑی سی لڑکی کے ساتھ تعارف کرائے گا۔ سیٹی بجانے کے لیے اس کا چہرہ عجیب عجیب زاویے بنا رہا تھا۔ مین گیٹ پر کھڑے ہوئے دربان کے لیے اس کی بنتی بگڑتی شکل دیکھ کر ہنسی روکنی مشکل ہو گئی تھی۔ قاسم اس پر توجہ دیئے بغیر ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ اس عظیم الشان ہوٹل میں اس کی میز مستقل طور پر ریزرو رہتی تھی۔ اس لیے اس ہوٹل کے مستقل گاہک اور تمام عملہ اس سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ آہستہ آہستہ لڑھکتا ہوا اپنی میز کی طرف بڑھ رہا تھا اور پھر اپنی کرسی پر وہ یوں دھم سے بیٹھا جیسے میلوں چل کر آیا ہو۔ کرسی مضبوط تھی اس لیے بچ گئی ورنہ جس انداز اور جس وزن کے ساتھ قاسم اس پر بیٹھا تھا

یقیناً ٹوٹ جاتی۔ قاسم کے بیٹھتے ہی ایک ویٹر اس کے پاس آ کر سینے پر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ کہنے کی اس میں ہمت ہی نہیں تھی کیونکہ وہ قاسم کی جلالی طبیعت سے بخوبی واقف تھا کہ بات بات پر اس کی ذہنی رو بہک جاتی ہے۔ قاسم نے ایک نظر ویٹر کی طرف دیکھا اور پھر کہنے لگا۔

''ابے کیا مسکینوں والی شکل بنائے کھڑا ہے۔ جا کام کر۔''

''حضور کوئی آرڈر۔'' ـــــ ویٹر نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے انتہائی مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ قاسم سے اسے ہمیشہ موٹی ٹپ مل جاتی تھی۔ اس لیے اس کی تلخ باتوں کو بھی نظر انداز کر دیا کرتا تھا۔

''کان نچڑ لے۔''

''جی۔'' ـــــ ویٹر نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

''ابے میں کوئی فارسی عربی میں گفتگو کر رہا ہوں جو تیری چھوٹی سی عقل میں نہیں آ رہی۔'' ـــــ قاسم نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا اور ویٹر نے خاموش رہنے میں ہی عافیت سمجھی۔

''ابے کیا ٹکر ٹکر میری صورت دیکھ رہا ہے۔ پہلے تو کہتے تھے کہ آرڈر دو۔ اب آرڈر دیا ہے تو میری صورت تکے جا رہا ہے۔'' قاسم نے آنکھیں نکالتے ہوئے ویٹر کو گھورا۔

اور ویٹر نے سوچا کہ اب بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ فی الحال ٹل جاؤں۔ چنانچہ خاموشی سے مڑ کر جانے لگا۔

''کہاں بھاگا جا رہا ہے ادھر آ۔'' ـــــ قاسم نے اسے جاتے

دیکھ کر آواز دی اور ویٹر بے چارہ واپس مڑ آیا۔

''کہاں جا رہا تھا۔'' ـــــ قاسم نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار تھے۔

''جناب وہ۔'' ـــــ ویٹر نے کچھ جواب نہ بن پاتے ہوئے رک رک کر کہا۔

اچانک قاسم کے چہرے کا تمام گوشت پھیل کر کانوں کی طرف دوڑنے لگا۔ غار جیسا منہ کھل گیا۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں بند ہو کر گوشت میں دھنس گئیں اور سر زور زور سے ہلنے لگا اور دوسرے لمحے اس کے منہ سے ہی ہی سے ملتی جلتی آوازیں نکلنے لگی۔ ویٹر سمجھ گیا کہ قاسم ہنسنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کو ہنستا دیکھ کر اس کے لیے ہنسی روکنا مشکل ہو گئی۔ وہ منہ پھیر کر ہنسنے لگا۔

''اچھا اچھا جا سالے پہلے بتا دیتا کہ تیرا میدہ کمزور ہے۔'' قاسم نے ہنسی روکتے ہوئے کہا۔ قاسم شاید سمجھا کہ ویٹر کو پیشاب آ گیا تھا۔

اور ویٹر جان چھٹتی دیکھ کر تیر کی طرح کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ قاسم نے اب اطمینان سے ہال میں بیٹھی ہوئی لڑکیوں کی طرف نظر ڈالنی شروع کر دی۔ وہ ہر لڑکی کو دیکھ کر برے برے منہ بناتا۔

''سالی ڈالڈے کی پیداوار کمبخت بیگم پتہ نہیں سانس کیسے لیتی ہے۔'' ـــــ وہ دیکھنے کے ساتھ ساتھ ان پر اپنے مخصوص انداز میں کمنٹری بھی کرتا جاتا تھا۔ آواز چونکہ کافی بلند تھی اس لیے پاس کی میزوں پر بیٹھے ہوئے اشخاص بری طرح ہنس رہے تھے۔

”منہ سے سانس لیتی ہوگی اور کیا کان سے لے گی۔“۔۔۔ اچانک حمید کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی جو پاس والی کرسی پر بیٹھ چکا تھا اور قاسم زور سے اچھل پڑا۔

”ارے حمید تم تو سٹارلی یعنی ہاتھمسٹ بھی ہو گئے ہو۔“۔۔۔ قاسم نے حمید کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”سٹارلی اور ہاتھمسٹ۔ میں سمجھا نہیں۔“۔۔۔ حمید نے حیرت سے ان دونوں لفظوں کو دہراتے ہوئے کہا۔

”ہی ہی تم تو اپنے آپ کو بڑے علامہ زہر سمجھتے ہو۔ اب بولو۔“ قاسم نے خوشی سے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”ابے الو علامہ زہر نہیں۔ علامہ دہر کہتے ہیں۔“۔۔۔ حمید نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا۔

”ابے جاؤ میری مرضی میں زہر کہوں یا دہر۔ تم کوئی خدائی ملٹری دار ہو۔“۔۔۔ قاسم نے برا منہ بناتے ہوئے کہا۔

اور حمید بے اختیار ہنس پڑا۔ قاسم نے خدائی فوجدار کا انگریزی ترجمہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

”ابے اتنے ہی منشی فاصل کابل ہو تو شروع میں ہی سمجھ جاتے۔“ قاسم نے اسی لہجے میں کہا۔

”کیا سمجھ جاتا۔“

”ارے وہی سٹارلی اور ہاتھمسٹ۔“۔۔۔ قاسم نے چیلنج کرنے کے انداز میں کہا۔

”اوہ اب سمجھا تم شاید نجومی اور پامسٹ کہنا چاہتے تھے۔“

”تو کیا میں نے غلط کہا تھا۔“

”بالکل۔“۔۔۔ حمید نے اطمینان سے کہا۔

”اتنی انگریزی اور فارسی تو مجھے بھی آتی ہے۔ نجوم ستاروں کو کہتے ہیں۔ میں نے سٹارلی کہہ دیا تو تم بکھر ہی گئے۔“

”دوسرا لفظ تو ہے ہی غلط۔ میں شرط لگا سکتا ہوں ہاتھ دیکھنے والے کو پامسٹ کیسے کہہ دیں۔ وہ کوئی پاؤں کی لکیریں تھوڑا دیکھتا ہے۔ ہاتھ دیکھنے والے کو ہاتھمسٹ ہی کہنا چاہیے۔“۔۔۔ قاسم نے اسے لفظوں کی تشریح کر کے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”اب میں تم سے کیا بحث کروں۔“۔۔۔ حمید نے اکتاتے ہوئے کہا۔

”کر کے دیکھو۔ ٹانگیں نہیں چیر دوں گا۔“۔۔۔ قاسم کو اچانک غصہ آ گیا۔

”کیوں۔ بحث کرنے میں ٹانگیں چیرنے کا کیا مطلب۔“ حمید دوبارہ حیرت سے بولا۔

”اور کیا بحث لڑائی ہی کو کہتے ہیں۔ میں نے دو مولویوں کو بحث کرتے دیکھا تھا۔ سالے بولتے بولتے لڑ پڑے تھے۔“

”اچھا تم یہ بتاؤ کوئی فل فلوٹی نظر آئی۔“۔۔۔ حمید نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

”خاک۔ ہاں تم نے وعدہ کیا تھا کہاں ہے وہ۔“۔۔۔ قاسم کو

اچانک حمید کا وعدہ یاد آ گیا۔

"میری جیب میں۔"۔۔۔۔ حمید نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

"کیوں مذاق کرتے ہو یار۔ تم تو کہتے تھے تگڑی ہے فل فلوٹی۔ تمہاری جیب میں تو چوہے کا بچہ نہیں آ سکتا۔"۔۔۔۔ قاسم نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"آ جائے گی۔ آ جائے گی۔ تم چائے تو منگواؤ۔"۔۔۔۔ حمید نے اسے ٹالتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں مانتا۔ وہ لڑکی سالی کبھی تگڑی ہو نہیں سکتی جو تمہاری جیب میں آ جائے۔"۔۔۔۔ قاسم نے یقین نہ کرنے والے انداز میں کہا۔

"ابے میرا مطلب تھا کہ وہ لڑکی ابھی ہوٹل میں آ جائے گی۔"

"تو سیدھی طرح کہو خواہ مخواہ کو نخرے بگھار رہے ہو۔"۔۔۔۔ قاسم نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ ویٹر کو ڈھونڈ رہا تھا جو تھوڑی دور پرے اسے ایک ستون کے ساتھ کھڑا نظر آ گیا۔

"ارے ویٹر ادھر آؤ دور کھڑے کیا تماشہ دیکھ رہے ہو۔"۔۔۔۔ قاسم نے دھاڑتے ہوئے کہا اور ویٹر اس کی دھاڑ سن کر تیر کی طرح اس کی طرف لپکا۔

اس سے پہلے کہ قاسم بولتا حمید نے اسے چائے لانے کے لیے کہہ دیا اور ویٹر تیزی سے مڑ گیا۔ قاسم نے جو ویٹر کو آرڈر دینے کے لیے منہ کھولا تھا وہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"منہ بند کرو ورنہ مکھی گھس جائے گی۔"۔۔۔۔ حمید نے اس کا غار

جیسا دہانہ کھلا دیکھ کر کہا۔

اور قاسم نے اتنی سختی سے منہ بھینچ لیا جیسے ایک لمحے کے لیے بھی اس کا منہ کھلا رہ گیا تو واقعی مکھی گھس جائے گی۔

چند لمحے بعد ویٹر نے میز پر چائے اور بہت سے دیگر لوازمات چن دیئے۔ حمید نے چائے بنائی اور پھر دونوں چائے پینے میں مشغول ہو گئے۔

"حمید بھائی یہ چائے سالی گرم گرم کیوں پی جاتی ہے۔" چائے پیتے پیتے اچانک قاسم نے حمید سے سوال کر دیا۔

"اس کی وجہ یہ ہے کہ چائے کے گرم ہونے کی وجہ سے پیالی بھی گرم ہو جاتی ہے اور چائے پیتے وقت جب ہونٹ پیالی کے کنارے سے لگتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کسی کنواری فل فلوٹی کا گرم گرم بوسہ لیا جا رہا ہو۔"۔۔۔۔ حمید نے تشریح کرتے ہوئے کہا۔

"ہی ہی مجا آ گیا۔ مجھے تو پہلے پتہ ہی نہیں تھا کہ یہ بات ہے۔" قاسم نے منہ کھول کر ہنستے ہوئے کہا۔

اور پھر جب اس نے چائے کا گھونٹ لیا تو واقعی اس کے چہرے پر ایسے ہی تاثرات تھے جیسے کسی کا بوسہ لے رہا ہو۔ لیکن دوسرے لمحے وہ زور سے اچھل پڑا۔ کیونکہ اس کا بالائی ہونٹ۔ پورا چائے میں ڈوب جانے کی وجہ سے جل گیا تھا۔ اس کے اچھلنے سے پیالی میں پڑی ہوئی ساری چائے اس کے کپڑوں پر آ گری اور اس کے گرتے ہی وہ اس زور سے اچھلا کہ میز ہی الٹ گئی۔ حمید کے کپڑوں پر بھی چائے

آ گری۔

"اندھے ہو۔" ـــــ حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"تم خود ہو اندھے بلکہ حافظ جی۔" ـــــ قاسم نے رومال جیب سے نکال کر کپڑے پونچھتے ہوئے کہا۔

ویٹر نے اس دوران ان کی میز سیدھی کر دی اور چند ٹوٹے ہوئے برتن سمیٹ کر لے جانے لگا۔حمید خاموش رہ گیا۔ کیونکہ اسے اچھی طرح علم تھا کہ یہ ہاتھی اگر بگڑ گیا تو پھر اس کا سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ وہ دونوں دوبارہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ قاسم اب برے برے منہ بنا رہا تھا۔

اچانک قاسم کی نظر نزدیک کی میز پر پڑ گئی اور پھر وہ سب کچھ بھول بھال کر اسے یوں ٹک ٹک دیکھنے لگا جیسے دنیا کا آٹھواں عجوبہ نظر آ گیا ہو۔

حمید نے بھی اس کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے اس لڑکی کی طرف دیکھا۔لڑکی واقعی بے انتہا خوبصورت تھی اور پھر قاسم کے معیار کے بھی قدرے قریب ہی تھی کیونکہ اس کا جسم بھی خاصا بھرا ہوا تھا اور گداز تھا۔ جس نے اس کے حسن پر چار چاند لگا دیئے تھے۔ ادھر قاسم کی حالت ایسی تھی جیسے

ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم

ادھر لڑکی نے بھی قاسم کو یوں بری طرح گھورتے ہوئے دیکھ لیا۔ اس کے چہرے پر ناخوشگوار تاثرات تھے اور پھر وہ منہ پھیر کر اپنے

ساتھ بیٹھے ہوئے ایک بھینسے کی طرح طاقتور اور لحیم شحیم جوان سے باتیں کرنے لگی۔

"کیا کھانے کا ارادہ ہے۔" ـــــ حمید نے طنزیہ پوچھا۔ اور قاسم جیسے ہوش میں آ گیا۔

"کھانا تو میں گھر سے کھا کر آیا تھا۔" ـــــ اس نے حمید کو جواب دیا۔

"میرا مطلب تھا کیا اس لڑکی کو نظروں ہی نظروں میں کھانے کا ارادہ ہے۔" ـــــ حمید نے اپنے فقرے کی تشریح کرتے ہوئے کہا۔

"تمہارا ابھی دماغ خراب ہے۔نجروں سے بھی بھلا کوئی کھا سکتا ہے۔" ـــــ قاسم نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔پھر اس سے پہلے کہ حمید کوئی جواب دیتا۔لڑکی کا ساتھی ان کے میز کے قریب پہنچ چکا تھا۔ دونوں اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"کیپٹن حمید اپنے ساتھی کو سمجھا لو ورنہ توند پھاڑ دوں گا۔" ـــــ اس نے غراتے ہوئے کہا۔

"کیا سمجھا لوں۔" ـــــ حمید نے تیوری چڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ میری ساتھی کی طرف کیوں دیکھ رہا ہے۔"

"دیکھنا کوئی جرم تو نہیں۔" ـــــ حمید نے سرد آواز میں کہا۔

"لیکن اس طرح گھور گھور کر دیکھنا بھی تو اچھا نہیں ہے۔" ـــــ اس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

قاسم جواب تک نجانے کیوں خاموش تھا۔ یک دم بول پڑا۔

"ابے جا بے کام کر۔ میں گھور کر دیکھوں یا آنکھیں پھاڑ کر تم کون ہوتے ہو دخل دینے والے۔" ______ قاسم نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔

اور دوسرے لمحے اس نوجوان کا تھپڑ قاسم کے چہرے پر پڑا۔ تھپڑ کی زوردار آواز سے سارا ہال گونج گیا۔

قاسم تو ہتھے سے اکھڑ گیا۔ اس نے لپک کر اس آدمی کی گردن پکڑی اور پھر اس کا سر زور کی آواز میں میز سے ٹکرا دیا۔ حمید بھی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس آدمی کی ناک سے خون بہنے لگا تھا۔

"اب بولو سالے مچھر کی اولاد۔" ______ قاسم بھی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ نوجوان پھرتی سے اٹھنے لگا تھا کہ قاسم کا دوسرا ہاتھ اس کی کمر پر پڑا اور وہ میز کے اوپر گر گیا اور قلابازی کھاتا ہوا دوسری طرف جا گرا۔ سارے ہال میں شور مچ گیا۔ لڑکی بھی چیختی ہوئی قاسم کے پاس آ گئی۔ قاسم دونوں پہلوؤں پر ہاتھ رکھے یوں کھڑا تھا جیسے شکاری شکار مار کر اس کی لاش پر کھڑا ہو کر فوٹو کھنچواتا ہے۔ لڑکی نے قاسم کی کمر پر مکے مارنے شروع کر دیئے لیکن ان مکوں سے قاسم کا کیا بگڑنا تھا۔

دوسرے لمحے قاسم کی جان ہوا ہو گئی کیونکہ اس نوجوان نے فرش سے اٹھتے ہی ریوالور نکال لیا تھا۔ قاسم ہاتھ پیر کی لڑائی میں تو شیر تھا لیکن ان ہتھیاروں سے اس کی جان جاتی تھی۔

حمید کی نظر بھی اس نوجوان کے ریوالور پر پڑ گئی۔ اس نے اس نوجوان پر چھلانگ لگا دی لیکن اس سے پہلے ہی اس کے ریوالور سے

شعلہ نکلا اور پھر قاسم کی چیخ سے سارا ہال گونج گیا۔ گولی اس کے بازو کا گوشت پھاڑتی ہوئی گزر گئی۔ دوسری گولی چلانے سے پہلے حمید اسے رگیدتا ہوا دور تک لے گیا تھا۔ گولی کی آواز اور قاسم کی چیخ نے سارے ہال میں اور زیادہ افراتفری مچا دی اور پھر اچانک ہال میں گہرا اندھیرا چھا گیا۔ اس کے بعد تو کرسیاں ٹوٹنے اور شور میں ناقابل بیان اضافہ ہو گیا۔ مردوں اور عورتوں کی چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔ کوئی دس منٹ بعد دوبارہ روشنی آ گئی اور اب پہچانا بھی نہیں جا رہا تھا کہ یہ وہی سجا سجایا ہال ہے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے کباڑی کی دکان ہو۔ ہر طرف ٹوٹا ہوا فرنیچر اور برتن بکھرے پڑے تھے۔ کئی عورتیں فرش پر بے ہوش پڑی تھیں۔ بہت سارے لوگ دیواروں کے ساتھ چمٹے ہوئے کھڑے تھے۔ قاسم بھی وہیں فرش پر پڑا تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھٹی ہوئی تھیں اور بازو سے ابھی تک خون جاری تھا۔ اندھیرا ہوتے ہی حمید کے ہاتھوں سے وہ نوجوان مچھلی کی طرح پھسل گیا تھا۔ اب اس نوجوان کے ساتھ ساتھ وہ لڑکی بھی غائب تھی۔ منیجر اور بیرے سارے ہال میں بوکھلائے سے پھر رہے تھے۔ چند لمحوں بعد پولیس ہوٹل میں آ دھمکی۔ حسب معمول ہوٹل کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ حمید نے چند بیروں کی مدد سے قاسم کو فرش سے اٹھا کر کرسی پر بٹھایا اور پھر جیب سے رومال نکال کر اس کے بازو پر کس کر باندھ دیا تاکہ خون بہنا بند ہو جائے۔

منیجر سے تھوڑی سی گفتگو کے بعد پولیس انسپکٹر سیدھا حمید اور قاسم

کی طرف آیا۔حمید نے تفصیل سے اسے سارے حالات بتلا دیئے۔ انسپکٹر چونکہ اسے پہچانتا تھا اس لیے اس نے خاموشی سے اس کا بیان قلمبند کرلیا۔

''بجلی بند ہو جانے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ یہ سب کچھ کسی سوچی سمجھی سکیم کے تحت کیا گیا ہے۔''۔۔۔۔حمید نے کہا۔

''نہیں حمید صاحب۔ بجلی تو ان اوقات میں آس پاس کے تمام علاقے میں بجھ گئی تھی۔''۔۔۔۔انسپکٹر نے حمید کو بتلایا۔

''اوہ۔تو اس کا مطلب ہے کہ بجلی اتفاقیہ چلی گئی تھی اور اس سے فائدہ اٹھا کر قاسم کو گولی مارنے والا نوجوان اور اس کی ساتھی لڑکی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔''۔۔۔۔حمید نے کہا۔

''ہاں۔ یہی سوچا جا سکتا ہے۔''۔۔۔۔انسپکٹر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اور پھر ہال کے دروازے کھول دیئے گئے۔ تمام لوگ اٹھ کر چلے گئے۔ قاسم اور حمید بھی اٹھ کر باہر کی طرف چلے۔ قاسم نے جب سے اپنا خون دیکھا اس پر خاموشی کا دورہ پڑا ہوا تھا۔اس لیے وہ دونوں خاموشی سے باہر آ گئے۔

یہ ایک وسیع وعریض کوٹھی تھی اور اس کے طویل اور بڑے ہال میں تقریباً دس افراد چہروں پر نقاب لگائے ایک میز کے گرد خاموش بیٹھے تھے۔ میز کے درمیان میں ایک بہت بڑا گلدان رکھا ہوا تھا۔ جس میں گلاب کے تازہ پھولوں کا بڑا سا گلدستہ موجود تھا۔ اتنے آدمی کوٹھی میں موجود ہونے کے باوجود کوٹھی کا کمپاؤنڈ کاروں سے خالی تھا۔ وہ سب خاموشی سے اسی گلدان کی طرف گھور رہے تھے جیسے ابھی گلدان میں جادو کے زور سے ہاتھی نکل آئے گا لیکن دوسرے لمحے گلدان میں سے ہاتھی نکلنے کی بجائے ایک تیز اور بھرائی ہوئی آواز نکلنے لگی۔اس گلدان میں یقیناً ٹرانسمیٹر چھپا ہوا تھا اور یہ ایسا جدید ٹرانسمیٹر تھا جس میں بات کہنے کے بعد اوور کہنے کی ضرورت نہیں تھی اور اس کو آن آف کرنے کے لیے کوئی بٹن وغیرہ بھی نہیں تھا۔

گلدان سے نکلنے والی ہیلو ہیلو کی آواز سن کر وہ سب چونک پڑے۔

"یس باس۔" ـــــــ ان میں سے ایک نقاب پوش نے آہستہ سے کہا۔

"کوڈ۔" ـــــ گلدان سے وہی آواز ابھری۔

"ٹرنٹولا۔" ـــــ نقاب پوش نے دہرایا۔

"یس ٹرنٹولا سپیکنگ۔ کتنے ممبر موجود ہیں۔" ـــــ باس نے پوچھا۔

"دس جناب۔"

"او کے۔ میں نے آپ لوگوں کو یہاں اس لیے بلوایا ہے کہ ہم اپنے پہلے شکار یعنی سرافتخار کو ختم کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ گو کرنل فریدی اور کیپٹن حمید اور کرنل کی بلیک فورس اس کی حفاظت کر رہے تھے۔ کرنل فریدی کو میں پہلے ہی متنبہ کر چکا تھا۔ اس کے باوجود وہ آڑے آ گیا۔ چنانچہ اب وہ میری بلیک لسٹ میں آ چکا ہے۔ آج رات فرقان احمد وزیرخارجہ کو ختم کرنا ہے۔ اگر ہم اس میں کامیاب ہو گئے تو یقیناً یہ چیز ہمارے مشن کے لیے نیک فال ثابت ہوگی۔ آج کی رات اس مشن کے لیے ہمیں پروگرام طے کرنا ہے۔ مجھے خبر ملی ہے کہ آج وزیرخارجہ کی کوٹھی پر ملٹری پولیس، سول پولیس، سی آئی اے، کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کا زبردست پہرہ ہوگا۔ اس لیے ہمیں کوئی واضح سکیم ترتیب دے لینی چاہیے تاکہ کامیابی کی راہیں زیادہ سے زیادہ روشن ہو سکیں۔ آپ میں سے کسی ممبر کے پاس کوئی تجویز ہو تو وہ پیش کرے۔" ـــــ ٹرنٹولا کی آواز آنی بند ہو گئی۔

چند لمحے تک ہال میں خاموشی رہی۔ پھر کونے میں بیٹھے ہوئے ب نقاب پوش نے کھڑے ہو کر کہا۔

"باس میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔ وہ یہ کہ کیوں نہ ہم یہ ان کر دیں کہ وزیرخارجہ کے قتل کا پروگرام تا اطلاع ثانی ملتوی کر دیا یا ہے۔ اس سے یقیناً پہرے میں وہ سختی باقی نہیں رہے گی اور ہم رام کے مطابق آسانی سے وزیرخارجہ کو قتل کر سکتے ہیں۔"

"تمہاری باتوں سے بزدلی کی بو آ رہی ہے اور تمہیں علم ہے کہ بزدلی کسی حالت میں بھی پسند نہیں۔" ـــــ ٹرنٹولا کی گرجدار سے ہال گونج گیا۔

"لیکن باس یہ بزدلی نہیں ایک چال ہے۔" ـــــ اسی نقاب پوش کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"نہیں۔ ہم اپنے اعلان سے نہیں ہٹ سکتے۔ تم نے پہلی بار ایسی ی کی ہے۔ اس لیے میں معاف کرتا ہوں۔ دوسری بار تم نے اگر ایسی کی تو انجام سے تم بخوبی واقف ہو۔"

"تھینک یو باس۔ میں آئندہ ایسی تجویز پیش نہیں کروں گا۔" نقاب نے سر جھکاتے ہوئے کہا اور پھر چپکے سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کا بھی تک کانپ رہا تھا۔

ی نقاب پوش بھی سر جھکائے بیٹھے تھے۔ کسی کے دماغ میں کوئی تجویز نہیں آ رہی تھی۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ایک نقاب ٹھ کھڑا ہوا۔ باقی سب نقاب پوش چونک کر اس کی طرف دیکھنے

لگے۔

''باس کیوں نہ ہم زیرو فور مشین استعمال کریں۔''۔۔۔۔۔۔اس نقاب پوش نے آہستہ سے کہا۔

''نہیں فی الحال میں یہ مشین استعمال نہیں کرنا چاہتا۔ اس کا موقع ابھی نہیں آیا۔ میں اس مشین کو راز میں رکھنا چاہتا ہوں۔''۔۔۔۔۔۔باس کی آواز میں ہلکی سی غراہٹ تھی۔

''اوکے باس۔''۔۔۔۔۔۔نقاب پوش بیٹھ گیا اور ہال میں ایک بار پھر خاموشی طاری ہوگئی۔ ایک لمحے بعد ایک اور نقاب پوش جو بائیں طرف انتہائی کونے میں بیٹھا ہوا تھا کھڑا ہو گیا۔

''باس میں اس مشن کے لیے کام کرنے کو تیار ہوں۔ میں اکیلا ہی وہاں جاؤں گا۔''۔۔۔۔۔۔اس نقاب پوش نے خوداعتمادی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

''شاباش نمبر تین۔ ہماری نظروں میں تمہارا درجہ اور بلند ہو گیا ہے۔ مجھے امید ہے تم اس مشن سے کامیاب واپس آؤ گے لیکن اگر تم ناکام ہو گئے تو۔۔۔''

''ہرگز نہیں باس۔ میں ہر حالت میں کامیاب لوٹوں گا۔''۔۔۔۔۔نمبر تین نے دوبارہ کہا۔

''اوکے۔ ہم تمہاری کامیابی کے لیے دعا کرتے ہیں نمبر تین۔ تم یہیں رہو، باقی سب جا سکتے ہیں۔''۔۔۔۔۔۔ٹرنٹولا کی گرجدار آواز گونجی اور پھر باقی سب نقاب پوش ایک ایک کر کے ہال سے باہر نکل گئے۔

صرف نمبر تین ہی وہاں بیٹھا تھا۔ جب ہال میں صرف نمبر تین ہی اکیلا رہ گیا تو باس کی آواز دوبارہ گونجی۔

''نمبر تین بائیں طرف والی الماری میں ایک سرخ رنگ کی فائل ہے۔ اس میں وزیرخارجہ کی کوٹھی کا تفصیلی نقشہ اور دیگر ہدایات موجود ہیں۔ تم ان کا اچھی طرح مطالعہ کر لو۔''

اور نمبر تین نے الماری سے سرخ رنگ کی فائل نکال لی اور پھر وہ فائل کے مطالعے میں کھو گیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک وہ بغور کوٹھی کے نقشے اور دیگر ہدایات کو بغور دیکھتا رہا اور پھر اس نے اطمینان کا طویل سانس لے کر فائل بند کی اور اسے اٹھا کر دوبارہ الماری میں رکھ دیا۔

''تم اچھی طرح سمجھ گئے۔''۔۔۔۔۔۔اس نے جیسے ہی فائل الماری میں رکھی۔ کمرے میں باس کی آواز گونجی۔

''یس باس میں آپ کی ہدایات پر عمل کروں گا اور یقیناً مشن میں کامیاب رہوں گا۔''۔۔۔۔۔۔اس نے قدرے جھکتے ہوئے کہا۔ کیونکہ اسے پتہ تھا کہ گلدان میں موجود پھولوں میں ٹرانسمیٹر کے علاوہ جدید مووی کیمرہ بھی فٹ ہے۔ اس لیے ٹرنٹولا تمام ہال کو بخوبی دیکھ رہا ہوگا۔

''اوکے وش یو گڈ لک۔ اوور اینڈ آل۔''۔۔۔۔۔۔ٹرنٹولا کی آواز گونجی اور پھر سناٹا چھا گیا۔

آج وہی تاریخ تھی جس کا اعلان ٹرنٹولا نے وزیرخارجہ کے قتل کے بارے میں کیا تھا۔ آج سارا دن ملک میں ایک عجیب ہلچل ، بے چینی اور اضطراب پھیلا رہا۔ لوگ زندگی کے تمام موضوعات کو بھول کر اسی موضوع پر بحث کر رہے تھے۔ آج ہر گھر میں اسی کا چرچا تھا کہ کیا ٹرنٹولا اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا اور کیا ٹرنٹولا اس قتل کے لیے حق بجانب بھی ہے یا نہیں۔ لوگ مختلف اندازے لگا رہے تھے۔ ایک عجیب سے خوف آمیز اضطراب نے لوگوں کے ذہنوں پر قبضہ کیا ہوا تھا۔ عوام سے زیادہ بے چینی اور اضطراب حکومت کے آفیسروں میں پھیلا ہوا تھا۔ ہر افسر کا چہرہ ایک سوالیہ نشان بنا ہوا تھا۔ ذہنوں میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ کیا ٹرنٹولا اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔ ٹرنٹولا کون ہے؟ کیا چاہتا ہے۔ میٹنگ پہ میٹنگ بلائی جا رہی تھی۔ ایک سپاہی سے لے کر صدر تک سب پریشان تھے۔ وزیرخارجہ فرقان احمد

ظاہری طور پر مطمئن نظر آرہے تھے لیکن ان کے دل میں بھی خوف و اضطراب نے ڈیرہ جمایا ہوا تھا۔

ادھر فریدی آج سارا دن دفتر میں اپنی بلیک فورس کو فون کرنے میں مصروف تھا۔ اس کے علاوہ اسے مختلف اجلاس میں بھی شریک ہونا پڑا۔ صدر نے وزیرخارجہ کی کوٹھی پر حفاظت کے تمام انتظامات کرنل فریدی کو سونپ دیئے تھے۔ ٹرنٹولا کے مقابلہ میں انہیں کرنل فریدی ہی امید کی کرن نظر آرہا تھا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ فریدی نے بڑے بڑے مجرموں کی گردنیں مروڑ دی تھیں لیکن اس کے باوجود وہ ٹرنٹولا کی پہلی کامیابی سے ہراساں ہو گئے تھے۔ انہیں خوف تھا کہ کہیں ٹرنٹولا کامیاب نہ ہو جائے۔ چند آفیسروں نے وزیرخارجہ کو مشورہ دیا تھا کہ وہ خفیہ طور پر ملک سے باہر چلے جائیں لیکن وزیرخارجہ نے اس کی مخالفت کی تھی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر وہ ملک سے فرار ہو گئے تو ٹرنٹولا کا رعب اور اثر عوام پر بہت گہرا پڑے گا۔ انہیں کرنل فریدی کے انتظامات پر بھروسہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ٹرنٹولا بھی آخر کوئی انسان ہی ہو گا۔ خدا تو نہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ کامیاب ہو جائے اور اگر ایک بار وہ ناکام ہو گیا تو پھر ٹرنٹولا کا تمام اثر جو اس نے چیئرمین سرافتخار کو قتل کر کے لوگوں پر ڈالا تھا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زائل ہو جائے گا۔ اس طرح یہ فتنہ یہیں دب جائے گا۔ کرنل فریدی نے کوٹھی کی حفاظت کے تمام ممکنہ انتظامات کر لیے تھے۔ وزیرخارجہ کی کوٹھی کے آس پاس کی تمام کوٹھیاں خالی کرا لی گئی تھیں۔ وہاں بھی ملٹری کا پہرہ بٹھا دیا گیا تھا۔

کرنل فریدی نے ایک اور چال چلی تھی ۔ اس نے وزیرخارجہ اور اپنے
قد اور جسامت کی قدرے مشابہت سے فائدہ اٹھایا اور خود رازداری
کے طور پر وزیرخارجہ کا میک اپ کر لیا اور وزیرخارجہ پر اپنا میک اپ کر
دیا۔ اس بات میں اتنی رازداری برتی گئی تھی کہ حمید تک کو علم نہ ہوا۔
کرنل فریدی خود تو وزیرخارجہ کی خواب گاہ میں بطور وزیرخارجہ موجود تھا
اور وزیرخارجہ کرنل فریدی کے روپ میں خواب گاہ سے ملحق تیسرے
کمرے میں موجود ایک بڑی سی الماری کے پیچھے چھپ گئے تھے۔ پھر
جوں جوں وقت گزرتا گیا کوٹھی میں سکون ہو گیا۔ تمام پہرہ دار اپنی اپنی
پوزیشنوں میں چھپے بیٹھے تھے۔

رات کے ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے لان کے ایک کونے میں گٹر کا
ڈھکن آہستہ سے اوپر اٹھا اور پھر آہستہ آہستہ بغیر کوئی آواز پیدا کئے
ایک طرف ہٹ گیا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ گٹر کے آس پاس کوئی پہرہ
دار اس وقت نہیں تھا۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس گٹر سے ایک سر باہر نکلا۔ اس کا
چہرہ تمام تر ایک بند نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ صرف آنکھیں کھلی ہوئی
تھیں۔ چند لمحے ادھر ادھر کا جائزہ لینے کے بعد ایک سایہ سا تیزی سے
باہر نکلا اور اس نے ڈھکن دوبارہ اپنی جگہ رکھا اور سبزہ پر لیٹتے ہوئے
انتہائی پھرتی دکھائی تھی۔ چند لمحے تک وہ دم سادھے وہاں پڑا رہا۔ پھر
برآمدے کی طرف سانپ کی طرح رینگنے لگا۔ چاروں طرف بھیانک
سکوت چھایا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ برآمدے کے قریب پہنچ گیا۔

اس کی خوش قسمتی سمجھیے یا اس کا کمال کہ ابھی تک کسی کی بھی نظر اس پر
نہیں پڑی تھی۔ لیکن اس سایہ کے لیے سب سے مشکل مرحلہ اب
درپیش تھا۔ لان میں تو وہ پودوں کی باڑ کی قدرے اونچائی کی وجہ سے
بچ گیا تھا لیکن برآمدے میں رینگنے پر کسی نہ کسی کی نظر اس پر ضرور پڑ
جاتی اور پھر وہ دھر لیا جاتا۔ وہ خاموشی سے وہیں پڑا تھا کہ اچانک
اسے برآمدے کے بائیں طرف کے دوسرے ستون کے پیچھے ایک ہلکی
سی آہٹ محسوس ہوئی جیسے کوئی اپنی جگہ سے ہلا ہو۔ وہ سمجھ گیا کہ یقیناً
کوئی شخص اس ستون کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ اب وہ اور بھی زیادہ محتاط
ہو گیا۔ ویسے اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ کوٹھی کے چپے چپے پر پہرے
دار چھپے ہوئے ہوں گے لیکن وہ فطری طور پر انتہائی دلیر اور نڈر واقع
ہوا تھا۔ اس لیے وہ دانستہ موت کے منہ میں گھس آیا تھا۔ اس کی دلیری
اور بے خوفی واقعی قابل داد تھی لیکن اس کے ذہن میں ایک پلان تھا اور
اسے یقین تھا کہ کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہ آیا تو وہ یقیناً وزیرخارجہ کو
قتل کر کے صحیح سلامت نکل جانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ پھر کچھ
سوچ کر اس نے دوبارہ برآمدے کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔ اب
وہ برآمدے کے قریب پہنچ گیا۔ پھر اسے معلوم ہوا کہ ستون کے پیچھے
واقعی کوئی شخص موجود تھا اور کسی شخص کے سائے پر اسے شبہ ہوا تھا۔ وہ
پھرتی سے برآمدے کے ایک ستون کے پیچھے ہو گیا۔ اس نے اپنی
طرف سے تو احتیاط برتی تھی لیکن اس کے باوجود بھی وہ پہرے داروں
کی نظروں پر چڑھ گیا۔ جیسے ہی وہ ستون کے پیچھے چھپا فضا میں ایک

تیز سیٹی لہرائی اور دوسرے لمحے تمام کوٹھی برقی بلبوں اور سرچ لائٹوں کی تیز روشنی میں نہا گئی۔ روشنی ہوتے ہی وہ سایہ جو سیاہ رنگ کے چست کپڑوں میں ملبوس تھا۔ اپنی جگہ سے اچھلا کیونکہ اسے علم ہو گیا تھا کہ وہ گھیر لیا گیا ہے لیکن اس سے پہلے کہ کوئی اس کی طرف بڑھتا وہ حیرت انگیز پھرتی سے سامنے والے دروازے سے ٹکرایا اور دوسرے لمحے وہ کمرے کے اندر موجود تھا۔ کیونکہ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ اس نے پھرتی سے دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا دی۔ وہ ایک طویل سانس لے کر مڑا لیکن دوسرے لمحے ایک گولی اس کے بائیں بازو میں پیوست ہو گئی اور وہ حیرت سے سن کھڑے کا کھڑا رہ گیا کیونکہ خلاف توقع اس کے سامنے کرنل فریدی کھڑا تھا۔ جس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ گولی شاید اسی نے چلائی تھی۔ اسے براہ راست کرنل فریدی سے اس طرح کے ٹکراؤ کی بالکل امید نہیں تھی۔ اس لیے وہ حیران رہ گیا لیکن دوسرے لمحے وہ چونک پڑا۔ کیونکہ ساری کوٹھی میں بھاگ دوڑ اور تیز سیٹیوں کی آوازیں گونجنے لگی تھیں۔

''ریوالور گرا دو۔'' ـــــ اچانک کرنل فریدی چیخا۔

لیکن فریدی کی آواز سن کر اس کے ذہن کو ایک اور دھچکا لگا۔ کیونکہ وہ آواز کسی صورت بھی کرنل فریدی کی نہیں تھی۔ اب کمرے کے دروازے پر زور دار ٹکریں لگائی جا رہی تھیں۔ اچانک اس کے ذہن میں روشنی کا ایک جھماکا سا ہوا اور پوری صورت حال اس کے سامنے واضح ہو گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ کرنل فریدی نے چال چلی ہے۔ یہ وزیر خارجہ

فرقان احمد ہے جو کرنل فریدی کا روپ دھارے ہوئے ہے اور کرنل فریدی شاید وزیر خارجہ کا روپ دھارے ہوئے ہے۔ وہ پہچان چکا تھا کیونکہ ٹرنٹولا نے یہاں آنے سے پہلے وزیر خارجہ کی تقریروں کے مختلف ریکارڈ اسے مہیا کئے تھے۔ قسمت نے اسے ایک انوکھا چانس دیا تھا۔

یہ سب کچھ اس نے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں ہی سوچ لیا اور پھر دوسرے لمحے اس کے ریوالور سے فائر ہوا اور کرنل فریدی ایک طویل چیخ مار کر فرش پر آ گرا۔ گولی ٹھیک اس کے دل پر لگی تھی۔ اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھا تو ٹھیک ساڑھے بارہ بجے تھے۔

اسی لمحے دروازہ ایک زوردار آواز سے ٹوٹ گیا۔ سب سے پہلے اندر داخل ہونے والا حمید تھا لیکن وہ سیاہ پوش حیرت انگیز پھرتی سے جیسے اڑتا ہوا کمرے کے درمیان میں بنی ہوئی کھڑکی سے ٹکرایا۔ ایک جھناکے کی آواز آئی اور وہ کھڑکی کے شیشوں کو توڑتا ہوا کھڑکی سے گزرتا چلا گیا۔ اب وہ کمرے سے باہر تھا۔ کھڑکی کے پاس ہی ایک پائپ چھت کی طرف جا رہا تھا۔ وہ تیزی سے اس پائپ کے ذریعے اوپر چڑھنے لگا لیکن دوسرے لمحے مشین گن کی مخصوص تڑتڑاہٹ کی آواز فضا میں گونجی اور پھر مشین گن کا پورا برسٹ اس کے جسم کو چھلنی کر گیا۔ اس نے ایک ہلکا سا جھٹکا کھایا اور پھر ایک دھماکے سے وہ نیچے آن گرا۔ چند لمحے تڑپنے کے بعد اس سیاہ پوش نے دم توڑ دیا۔

جس وقت روشنی ہوئی حمید برآمدے کے کونے میں چھپا ہوا تھا۔
اس نے روشنی ہوتے ہی ایک سائے کو اچھل کر سامنے والے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔ چنانچہ وہ پھرتی سے اس کمرے کی طرف لپکا لیکن اس سے پہلے کہ وہ دروازے تک پہنچتا۔ دروازہ اندر سے بند ہو چکا تھا اور پھر گولی چلنے کی آواز اسے سنائی دی۔ اس نے زور زور سے دروازے پر ٹکریں مارنا شروع کر دیں۔ پھر دوسرے سپاہی بھی اس کی مدد کو آن پہنچے۔ ایک بار پھر گولی چلنے کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی اور اس کے ساتھ ہی ایک طویل چیخ بھی۔ اسی لمحے دروازہ ٹوٹ گیا۔ حمید پھرتی سے اندر داخل ہوا۔ اس نے ایک سیاہ سائے کو اچھل کر سامنے والی کھڑکی کا شیشہ توڑتے گزرتے دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس پر گولی چلاتا اس کی نظر سامنے فرش پر تڑپتے ہوئے کرنل فریدی پر پڑ گئی۔ کرنل فریدی کے سینے سے خون بہہ رہا تھا اور چہرے

پر بے پناہ تکلیف کے آثار تھے جیسے وہ مر رہا ہو۔ حمید مبہوت کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ اس کا ذہن سن تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ کرنل فریدی یہاں کیسے آن پہنچا اور پھر کرنل فریدی کی موت کیا کرنل فریدی مر رہا ہے۔
کرنل فریدی کی موت کا تصور آتے ہی وہ جیسے ہوش میں آ گیا۔
"نہیں نہیں کرنل فریدی نہیں مر سکتا۔" ـــــ یہ کہتے ہوئے وہ لپک کر کرنل فریدی کی طرف بڑھا۔ اسے اردگرد کا کوئی ہوش نہ رہا۔ فرش پر پڑا ہوا کرنل فریدی اب ساکت ہو چکا تھا۔ گولی جان لیوا ثابت ہوئی تھی۔
"کرنل۔" ـــــ حمید زور سے چیخا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ اس نے کرنل کی موت کو محسوس کر لیا تھا۔
"اوہ مجرم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔" ـــــ اس کے کانوں میں مانوس آواز گونجی اور وہ ایک جھٹکے سے پیچھے کی طرف مڑ گیا۔ وہاں وزیرخارجہ فرقان احمد کھڑے تھے لیکن آواز۔ حمید نے سوچا آواز یقیناً کرنل فریدی ہی کی تھی۔ تو کیا کیا؟
"آپ۔" ـــــ حمید نے رکتے ہوئے کہا۔
"گدھے میں فریدی ہوں۔" ـــــ کرنل فریدی جو وزیرخارجہ کے میک اپ میں تھا نے اسے ایک طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔
"تو یہ۔" ـــــ حمید بدستور حیرت زدہ تھا۔
"یہ وزیرخارجہ تھے۔" ـــــ کرنل فریدی نے وزیرخارجہ پر جھکتے

ہوئے کہا اور حمید کے منہ سے اطمینان کی ایک طویل سانس نکل گئی۔ وہ سب کچھ سمجھ گیا تھا۔ اب اس نے اپنے گردوپیش پر نظر ڈالی۔ مجرم باہر اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔

کرنل فریدی ایک طویل سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ چند سپاہی مجرم کی لاش اٹھا کر اسی کمرے میں لے آئے۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اس کے منہ سے نقاب اتار دیا۔ وہ کوئی غیر ملکی تھا۔

''ایمونیا کی بوتل لے آؤ'' ــــــ کرنل فریدی نے حمید سے مخاطب ہو کر کہا۔

اور حمید سر جھکا کر باہر نکل آیا۔ ماحول کی سنجیدگی کا اس پر کافی گہرا اثر ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایمونیا کی بوتل گیراج میں کھڑی فریدی کی کار سے نکال کر واپس کمرے میں آیا۔ فریدی نے اپنا اور وزیر خارجہ کا میک اپ ختم کر دیا۔ اب وہ دونوں اصلی شکلوں میں تھے۔ کمرے میں موجود دوسرے آفیسر بھی فریدی کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے تھے۔ کیونکہ یہ سکیم ان کے علم میں بھی نہیں تھی۔

دوسرے لمحے کوٹھی میں بہت سی کاریں آ کر رکیں۔ صدر مملکت وزیر خارجہ کے قتل کی خبر سن کر بذات خود وہاں آ گئے تھے۔ ان کا چہرہ انتہائی سنجیدہ تھا۔

''یہ سب کچھ کیسے ہو گیا کرنل'' ــــــ انہوں نے کرنل فریدی سے مخاطب ہو کر کہا۔ اور کرنل فریدی نے تمام تفصیل انہیں سنا دی۔ انہوں نے ایک نظر مجرم پر ڈالی۔

''بہت بہت برا ہوا۔ بہرحال آپ نے وزیر خارجہ کو بچانے کے لیے چال چلی تھی لیکن آپ کی چال مجرموں کے لیے فائدہ مند ثابت ہوئی۔''

''دراصل غلطی مرحوم وزیر خارجہ سے ہوئی۔ میں نے انہیں سختی سے منع کیا تھا کہ آپ کسی حالت میں بھی اس الماری کے پیچھے سے نہ نکلیں لیکن شاید وہ مجرم کو وہاں موجود پا کر گھبرا گئے تھے اور باہر نکل آئے۔ ویسے پہلا فائر مجرم پر انہوں نے ہی کیا تھا لیکن گھبراہٹ میں کاری نہ ہوا اور مجرم کی گولی ان کے دل میں گھس گئی۔'' ــــــ فریدی نے صدر کو ساری تفصیل بتلاتے ہوئے کہا۔

''کیا یہی ٹرنٹولا ہے'' ــــــ صدر نے مجرم کی لاش پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔ میرے خیال میں یہ اس کا کوئی کارندہ ہے۔ کیونکہ بڑے مجرم بذات خود کبھی سامنے نہیں آتے۔'' ــــــ فریدی نے کہا۔

دوسری صبح وزیر خارجہ کے قتل کی خبر سارے ملک میں پھیل گئی۔ عوام سہم کر رہ گئے۔ دوسرے دن کے اخبارات نے وزیر خارجہ کے قتل پر طویل تبصرے کئے اور پولیس کو خوب لتاڑا۔ کرنل فریدی پر بھی دبے دبے الفاظ میں چوٹیں کی گئی تھیں۔

قاسم آج موج مستی میں تھا۔ کل ہی اسے ایک بہت بڑا کنٹریکٹ ملا تھا۔ جس سے اس کے اندازے کے مطابق تقریباً چار لاکھ روپے کا منافع تھا۔ قاسم لاکھ بے وقوف سہی لیکن اپنے کاروبار میں وہ بہت ہوشیار تھا۔ مثل مشہور ہے کہ دیوانہ بکار خویش ہشیار۔

یہی حالت قاسم کی تھی۔ کل ہی اس نے بھاری رشوت دے کر ٹینڈر اپنے نام کھلوایا تھا۔ اسی لئے آج وہ خوش تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آج حمید کے ساتھ کوئی تگڑی سی خوشی منانی چاہیے۔ جب بھی وہ موج میں ہوتا اس کا دھیان حمید کی طرف ہی جاتا تھا۔ حمید اس کا ایسا دوست تھا جس سے وہ خار بھی کھاتا تھا لیکن اس کے بغیر خوشی کا اس کے ذہن میں تصور ہی نہ آتا۔ اسے حمید کی صلاحیتوں کا پوری طرح علم تھا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ حمید کو ٹیلی فون کرے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی زور سے بجنے لگی۔ قاسم نے رسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

''ہیلو کون ہے۔''۔۔۔۔۔ قاسم کا لہجہ لٹھ مار قسم کا تھا۔

''ابے۔ کیا چھپکلی بیگم سے مار کھائے بیٹھا تھا۔''۔۔۔۔۔ دوسری طرف سے حمید کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''کیا کہا۔ ٹانگیں نہ چیر دوں ذرا مار کے تو دیکھے۔''۔۔۔۔۔ قاسم کی آواز اور زیادہ بلند ہوگئی۔

''پھر کیا ہوگیا ہے تمہیں۔''۔۔۔۔۔ اس بار حمید کے لہجے میں نرمی کے آثار تھے۔ قاسم بھی اس کے نرم لہجے سے متاثر ہوگیا اور اب اسے خیال آیا کہ آواز تو حمید کی ہے ورنہ پہلے فقرہ سن کر ہی اکھڑ گیا تھا۔ اس نے سوچنے کا تکلف ہی گوارا نہ کیا کہ کون بول رہا ہے۔

''ابے غمید بھائی تم ہو۔ اللہ قسم تم تو جنتی ہو جنتی۔''۔۔۔۔۔ قاسم نے لہراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''کیوں میں جنتی کیسے ہوگیا۔''۔۔۔۔۔ حمید کی آواز میں حیرت تھی۔

''میں تمہیں فون کرنے ہی والا تھا کہ تم نے پہلے فون کر دیا۔ صاف ظاہر ہے کہ تم کوئی پیر فقیر ہو اور پیر فقیر جنتی ہوتے ہیں۔'' قاسم نے تشریح کرتے ہوئے کہا۔

''چلو شکر ہے جنتی ہی ہوں۔ تمہاری طرح جہنمی تو نہیں۔''۔۔۔۔۔ حمید نے اسے چڑاتے ہوئے کہا۔

''کیا کہا میں جہنمی۔ ابے ذرا میں نے مسکہ کیا لگایا تم اکڑ ہی گئے۔ سالے تم کیا تمہاری سات پشتیں جہنمی ہیں۔ میں کیوں ہونے لگا جہنمی

سالے جاسوس مسوس ہوتے ہی جہنمی ہیں۔'' ـــــ قاسم ہتھے سے ہی اکھڑ گیا۔ بھلا وہ اپنے آپ کو جہنمی کہلوانا کیسے گوارا کر لیتا۔

''تم بھی تو جاسوس کے دوست ہو۔ اس لیے تم بھی میرے ساتھ جہنم میں جاؤ گے۔'' ـــــ حمید نے مزید ٹکڑا لگاتے ہوئے کہا۔

''تو پھر آج سے میری تمہاری دوستی موستی ختم۔ تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتلا دیا۔ خواہ مخواہ اب توبہ موبہ کرنی پڑے گی۔'' ـــــ قاسم کے لہجے میں پریشانی کے تاثرات نمایاں تھے۔

''ارے قاسم ہاں مجھے یاد آیا۔ چلتے ہو تمہیں تگڑی سی فل فلوٹیوں سے ملوا لاؤں۔'' ـــــ حمید نے اچانک اپنا لہجہ بدل دیا۔

''فل فلوٹیوں سے۔ ارے ابھی چلو۔'' ـــــ قاسم خوش ہو کر بولا۔ تگڑی سی فل فلوٹیوں کے تصور سے ہی اس کی باچھیں کھل گئی تھیں اور وہ جنت جہنم سب کچھ بھول گیا۔

''جہنم میں جاؤ'' ـــــ حمید نے کہا۔

''چلنا پڑے گا'' ـــــ قاسم نے پھر تجسس سے مجبور ہو کر کہہ دیا۔

''جہنم میں۔'' ـــــ حمید نے دھیرے سے جواب دیا۔

''ابے میں تیار ہوں۔'' ـــــ قاسم نے جوشیلے لہجے میں کہا۔

''ابے میں نے جہنم کہا ہے۔'' ـــــ حمید نے زور دیتے ہوئے کہا۔ اس کے شاید جہنم کے لفظ پر قاسم نے جوش میں غور نہ کیا تھا۔

''ہاں ہاں میں نے سن لیا ہے۔ میں کوئی بہرہ میرا تو نہیں۔ جہنم

میں فل فلوٹیاں تو ہوں گی۔'' ـــــ قاسم نے تقریباً دھاڑتے ہوئے کہا۔

''کوٹھی آ جاؤ۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔'' ـــــ حمید نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ قاسم نے بھی جلدی سے ریسیور رکھا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک بہترین قسم کا سوٹ پہنے چہرے پر خاصا بھونڈا سا میک اپ کر کے باہر نکلا۔ جیسے ہی وہ پورچ میں آیا اسے شمو ہاتھ باندھے کھڑا نظر آیا۔ قاسم کے چہرے پر اسے دیکھ کر شکنیں پڑ گئیں۔

''ابے حرام خور چڑی مار کی اولاد۔ کیا منحوس سی شکل مکل لئے کھڑے کھڑا ہے۔'' ـــــ قاسم نے غصے سے دھاڑتے ہوئے کہا۔

''جور مائی باپ کچھ عرج کرنا ہے۔'' ـــــ شمو نے قاسم کے فقروں کی پرواہ کئے بغیر انتہائی لجاجت آمیز لہجے میں کہا۔

''ابے جور کی اولاد۔ میں تیرا مائی باپ کیسے ہو گیا۔'' ـــــ قاسم کے لہجے پر قدرے حیرت کے آثار تھے۔

''جور ہمرے مائی باپ تو آپ ہیں۔'' ـــــ شمو کا لہجہ اور زیادہ لجاجت آمیز ہو گیا۔

''ابے پھر وہی کالا جھوٹ۔ سالے میں کوئی فل فلوٹی ہوں جو مجھے بتا رہا ہے۔ چلو باپ تو بن سکتا ہوں لیکن مائی باپ دونوں اکٹھے میں کیسے بن سکتا ہوں۔'' ـــــ قاسم بحث کے موڈ میں آ گیا۔

"حجور یہ تو محاورہ ہے۔"___ شمو کی اب سمجھ میں آیا کہ قاسم کا اصل مقصد کیا ہے۔

"واہ بیٹے بڑے مولوی تفضل حسین کی دم۔ اب تم بھی مجھے محاورے سنانے لگے ہو۔ چلو بھاگ جاؤ یہاں سے ورنہ مار مار کے بھرکس نکال دوں گا۔"___ قاسم کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

"لیکن حجور۔"___ شمو نے قاسم کو کار کی طرف بڑھتے دیکھ کر پھر کہا۔

"جا بھاگ بے۔ کیا حجور حجور لگا رکھی ہے ورنہ کار اوپر چڑھا دوں گا۔"___ قاسم نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر شدید غصے کے تاثرات تھے۔

شمو نے اب خاموشی میں عافیت سمجھی ورنہ قاسم سے کوئی بعید بھی نہ تھا کہ وہ شمو کے اوپر واقعی کار چڑھا دیتا۔ قاسم نے کار سٹارٹ کی اور چند لمحے بعد اس کی نئی شیور لیٹ شہر کی سڑکوں پر تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ اس کا دماغ فل فلوٹیوں کا تصور کر رہا تھا۔ جن سے حمید نے اسے ملوانا تھا۔ وہ کبھی کبھی اپنے تصور میں اتنا غرق ہو جاتا کہ حادثہ ہوتے ہوتے بچتا۔ بہرحال وہ بخیرو عافیت حمید کی کوٹھی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ حمید اس کے انتظار میں برآمدے میں ہی کھڑا تھا۔

قاسم نے کار روکی۔ حمید بھاگ کر اس میں بیٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا اٹیچی کیس تھا جو اس نے کار کی پچھلی سیٹ پر رکھ دیا۔

"چلو پیراڈائز پوائنٹ۔"___ حمید نے قاسم سے کہا۔

"لیکن تم تو جہنم کا کہہ رہے تھے۔"___ قاسم نے چونکتے ہوئے کہا۔

"وہیں سے راستہ جاتا ہے۔"___ حمید نے اطمینان سے کہا۔ ویسے حمید کو حیرت تھی کہ قاسم آخر اتنے مطمئن انداز میں جہنم کا نام کیوں لے رہا ہے۔ پھر خلاف توقع قاسم نے خاموشی سے کار سٹارٹ کی اور پھر اس کی کار تیزی سے شہر سے دور ہونے لگی۔ پیراڈائز پوائنٹ ساحل سمندر کا مخصوص کونہ تھا جہاں اتوار کی شام کو تمام شہر کا حسن سمٹ کر اکٹھا ہو جاتا تھا اور آج اتوار تھا۔ اس لیے حمید نے وہیں کا پروگرام بنایا تھا۔

تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد قاسم نے اچانک حمید کی طرف خوفزدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا سچ مچ جہنم میں جاؤ گے۔"___ نجانے قاسم کیا سوچتے سوچتے خوفزدہ ہو گیا تھا۔

"تو کیا تم مذاق سمجھ رہے ہو۔"___ حمید نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"ارے مر گیا۔"___ قاسم کا چہرہ خوف سے بگڑ گیا اور اس نے سڑک پر کار کو بریک لگا دی۔

"ابے الو کار تو چلاؤ۔ ساری ٹریفک روک دی ہے تم نے۔" حمید نے پریشانی سے پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔

بے شمار کاریں ان کے پیچھے رک گئی تھیں اور ہارن پر ہارن بج

رہے تھے۔ اس وقت وہ شہر کی سب سے زیادہ معروف سڑک پر تھے۔

''میں تو نہیں چلاتا۔ ٹریفک جائے سالی بھاڑ میں۔ پہلے یہ تو بتاؤ مجاق کر رہے تھے نا''۔۔۔۔۔ قاسم نے سٹیرنگ سے ہاتھ اٹھا لیے۔

''ابے موٹے تم کار تو چلاؤ''۔۔۔۔۔ حمید جھنجھلا گیا۔ کیونکہ ان کی وجہ سے سارا ٹریفک رک چکا تھا۔

لیکن اس سے پہلے کہ قاسم کار چلانے یا نہ چلانے کا فیصلہ کرتا ایک قوی ہیکل سا نوجوان قاسم کی کھڑکی کے قریب آ گیا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ شاید پچھلی کار میں تھا۔

''کار کیوں نہیں چلاتے تمہارے باپ کی سڑک ہے''۔۔۔۔۔ اس نے انتہائی غصے سے قاسم سے مخاطب ہو کر کہا اور قاسم ہتھے سے ہی اکھڑ گیا۔

''نہیں چلاتا سالے۔ تمہاری کوئی دھونس ہے ہماری کار ہے چلائیں یا نہ چلائیں۔ تم کوئی خدائی فوجدار ہو''۔۔۔۔۔ ساتھ ہی قاسم نے چابی گھما کر انجن بھی بند کر دیا۔

اور دوسرے لمحے وہ ہوا جس کی امید کم از کم حمید کو نہیں تھی۔ اس نوجوان نے جیب سے ریوالور نکال کر قاسم پر فائر کر دیا۔ ریوالور پر نظر پڑتے ہی قاسم لاشعوری طور پر خوفزدہ ہو کر بے اختیار جھک گیا اور گولی سامنے ونڈ سکرین پر لگی۔ ونڈ سکرین کی کرچیں اچٹ کر حمید کے چہرے کو زخمی کر گئیں۔ اس کے چہرے سے خون بہنے لگا۔ حمید کے غصے کی انتہا نہ رہی۔ وہ پھرتی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ نوجوان بھی

شاید غصے میں پہلا فائر کر بیٹھا تھا۔ اب ہوش میں آ گیا اور اس نے دوسرا فائر نہیں کیا لیکن اب حمید کے سر پر چھپکلی سوار ہو گئی تھی۔ اس نے جمپ لگایا اور پھر کار کے بونٹ پر سے ہوتا ہوا نوجوان کو سڑک پر لیتا چلا گیا۔ فائر کی آواز سے چاروں طرف سراسیمگی پھیل گئی تھی اور اب ان دونوں کے اردگرد بہت سے لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔ چند نے آگے بڑھ کر ان دونوں کو علیحدہ کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ قاسم کار میں ہونقوں کی طرح بیٹھا ٹکر ٹکر دونوں کو لڑتے یوں دیکھ رہا تھا۔ جیسے اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ شاید فائر کے دھماکے نے اس کے اعصاب کو سن کر دیا تھا۔

حمید اس نوجوان کو سڑک پر رگید رہا تھا اور پھر اس نوجوان کو غصہ آ گیا۔ وہ بھی مضبوط جسم کا مالک تھا اور شاید لڑائی بھڑائی میں بھی ماہر تھا۔ کیونکہ دوسرے لمحے اس نے جھٹکا دے کر حمید کو دور پھینک دیا لیکن حمید کے سر پر تو بھوت سوار تھا۔ وہ پھر اچھل کر اس پر آ پڑا لیکن وہ نوجوان کروٹ بدل گیا اور حمید اپنے ہی زور میں لڑھکتا چلا گیا۔ نوجوان نے حمید کو پکڑنا چاہا لیکن حمید نے اس کے پیٹ میں مکا دے مارا اور وہ کراہ کر وہیں سڑک پر الٹ گیا۔ باقی لوگوں نے اس نوجوان کا حشر دیکھ کر ان کو چھڑانے کی مزید کوشش نہ کی اور خاموشی سے کھڑے تماشہ دیکھنے لگے۔ وہ نوجوان جیسے ہی اٹھا حمید نے اچھل کر اس کی ناک پر ٹکر دے ماری۔ ٹکر انتہائی شدید تھی۔ اس نوجوان کی ناک سے خون بہنے لگا۔ ادھر حمید کا چہرہ بھی اپنے ہی خون سے تر

تھا۔اس کی آنکھوں کے آگے بھی خون جمع تھا۔ جس سے سارا منظر اسے گہرا سرخ نظر آ رہا تھا۔ جس نے اس کی وحشت کچھ اور بڑھا دی۔ اسی لمحے اس نوجوان کی فلائنگ کک حمید کے سینے پر پڑی اور حمید سڑک پر آ گرا۔ لیکن پھر ایک جھٹکے سے اٹھا اور اس نوجوان کی طرف لپکا۔ اس نے حمید کو مکا مارنا چاہا لیکن اس کا دوسرا ہاتھ حمید کی گرفت میں آ گیا اور حمید نے جھٹکے سے اس کا بازو مروڑ دیا۔ تڑک کی آواز نکلی اور اس کے ساتھ ہی اس نوجوان کے منہ سے ایک کریہہ چیخ نکل گئی۔ بازو کی ہڈی ایک ہی جھٹکے سے ٹوٹ گئی تھی۔ حمید نے دوسرے ہاتھ کا مکا اس کے پیٹ میں دے مارا اور وہ لڑکھڑا کر سڑک پر گرنے لگا تھا کہ اچانک ایک زوردار دھماکہ ہوا اور اس نوجوان کے سر کے چیتھڑے اڑ گئے۔ یہ کارنامہ یقیناً ریوالور کی گولی کا تھا۔ اس سے پہلے کہ حمید سنبھلتا ایک اور دھماکا ہوا اور حمید کو ایک زوردار جھٹکا لگا اور وہ منہ کے بل سڑک پر آ گرا۔ اسے محسوس ہوا جیسے اس کی پشت میں گرم سلاخ اترتی چلی گئی ہو۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرے چھانے لگے۔اس کا جسم زور زور سے جھٹکے کھانے لگا۔

اسے ایسے محسوس ہوا جیسے اس کی روح اس کے جسم کا ساتھ چھوڑتی جا رہی ہے۔اس نے بے اختیار ادھر ادھر ہاتھ مارے لیکن بے سود۔ اس کا ذہن دھندلا ہوتا جا رہا تھا اور پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی عمیق گہرے کنوئیں میں گرتا چلا جا رہا ہو۔ پھر اس کے ذہن میں ایک ہلکا سا دھماکا ہوا۔ پھر خاموشی چھا گئی۔حمید کی پشت میں گولی لگی تھی چند

لمحے سڑک پر تڑپ تڑپ کر اب حمید ساکت ہو چکا تھا۔ اس کا چہرہ بگڑ گیا تھا۔ ہاتھ پاؤں مختلف سمتوں میں پھیلے ہوئے تھے اور آنکھیں بند تھیں۔ادھر قاسم نے حمید کو یوں گرتے اور تڑپتے دیکھ کر ہوش کھو دیئے اور جیسے ہی حمید کا جسم ساکت ہوا وہ بھی اپنی کار میں بے ہوش ہو کر سیٹ پر گر گیا۔

پھر حسب معمول ملک کی تمام اخباروں میں ٹرنٹولا کا نیا طویل خط آ گیا۔ اخبارات نے اس خط کو پہلے صفحے پر نمایاں طور پر شائع کیا تھا۔ حکومتی افسروں نے ان خطوط کے لفافوں کی اچھی طرح جانچ پڑتال کی کہ سراغ کا پتہ چلایا جا سکے لیکن وہ سب خط دارالحکومت کے مختلف لیٹر بکسوں میں ڈالے گئے تھے۔ اس لیے ان سے کسی سراغ کا لگانا بے سود تھا۔ خط یہ تھا۔

''ٹرنٹولا ایک عظیم طاقت ہے اور یہ عظیم طاقت اب عوام کے مفادات کی نگرانی کے لیے میدان میں نکل آئی ہے۔ حکومت کے انتہائی مکمل انتظامات اور کرنل فریدی کی ذہین چالوں کے باوجود ٹرنٹولا اپنے جاری کردہ اعلان میں کامیاب ہو گیا ہے۔ وزیر خارجہ فرقان احمد نے ملک کی خارجہ پالیسی کی بنیاد ملک کے مفادات کے خلاف رکھی

ہے اس کا نتیجہ اسے بھگتنا پڑا۔ حکومت کو اب پتہ چل گیا ہو گا کہ عوام میں کتنی قوت ہے اور عوام کا نمائندہ ٹرنٹولا کیا طاقت رکھتا ہے۔ کرنل فریدی نے عوام کے مقابلے میں ظالم حکومت کا ساتھ دے کر ٹرنٹولا کی نظروں میں اپنا مقام گرا لیا ہے۔ اس کا نام بھی بلیک لسٹ میں درج ہو چکا ہے لیکن اس کی سابقہ خدمات کے پیش نظر میں اسے ایک اور موقع دیتا ہوں اور اس کے ساتھ ہی اسے متنبہ کرتا ہوں کہ اگر اب اس نے ٹرنٹولا کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی تو اسے سر بازار ہلاک کر دیا جائے گا۔ اس کا ثبوت اسے کیپٹن حمید کی موت کی شکل میں دے دیا گیا ہے۔ جسے میرے کارندے سے الجھنے کی پاداش میں سر بازار شوٹ کر دیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ میں نے محسوس کیا ہے کہ عوام کی اخلاقی حالت کو تباہ کرنے میں سب سے زیادہ ہاتھ سینما اور فلم سٹوڈیوز کا ہے۔ اس لیے عوام کی اخلاقی حالت سدھارنے کے لیے میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ حکومت ملک کے تمام سینما اور سٹوڈیوز کو فوری طور پر بند کر دے ورنہ آج سے ٹھیک تین دن بعد دوپہر کو بارہ بجے ملک کے تمام سینما اور سٹوڈیوز کو ڈائنامائیٹ سے اڑا دیا جائے گا اور اس تمام نقصان کی ذمہ داری حکومت پر ہو گی۔

عوام کے مفادات کا نگران

ٹرنٹولا

خط کے چھپتے ہی عوام میں خوف و ہراس اپنے انتہاء پر پہنچ گیا۔ حکومت وزیر خارجہ کے قتل سے پہلے ہی پریشان تھی کہ اب ٹرنٹولا کے نئے اعلان نے ساری حکومت کو ہلا کر رکھ دیا۔ کرنل فریدی پر سب آس لگائے بیٹھے تھے لیکن حمید کی اس طرح سربازار موت اور وزیر خارجہ اور چیئرمین کارپوریشن کے سلسلے میں کرنل فریدی کی ناکامی سے اب ان کا اعتماد کرنل فریدی سے بھی اٹھ گیا تھا۔

ادھر عوام کا زیادہ طبقہ جو مذہب کے متعلق شدید جذبے رکھتا تھا اب ٹرنٹولا کے حق میں ہو گیا تھا۔ انہیں ٹرنٹولا کے نئے اعلان نے بہت خوشی بخشی تھی۔ وہ واقعی سمجھتے تھے کہ سینما اور فلم سٹوڈیوز نے عوام کی اخلاقی حالت انتہائی پست کر دی ہے۔ اس لیے وہ انہیں تباہ کرنے کے سلسلے میں ٹرنٹولا کو حق بجانب سمجھنے لگے تھے۔ مذہبی رہنماؤں نے بھی دبے دبے لفظوں میں ٹرنٹولا کے حق میں پروپیگنڈہ شروع کر دیا تھا۔ اس طرح ٹرنٹولا عوام کا ہیرو بن جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ حکومت اس صورت حال سے بھی پریشان تھی۔ اسے خطرہ تھا کہ کہیں عوام حکومت کے خلاف بغاوت نہ کر دیں۔ ادھر حمید کی موت کے بعد حمید کی لاش سمیت کرنل فریدی بھی روپوش ہو گیا تھا۔ حکومت نے اسے ڈھونڈنے کی لاکھ کوششیں کی تھیں لیکن بے سود۔ کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کی لاش کا کہیں پتہ نہ چلا۔

تھک ہار کر حکومت نے اس کی تلاش فی الحال ترک کر دی اور سینماؤں اور سٹوڈیوز کی حفاظت کا انتظام کرنے لگی۔ سینماؤں اور سٹوڈیوز کے مالکوں نے ٹرنٹولا کے خلاف حکومت سے مدد کی درخواست کی تھی۔ وہ بھلا اپنی کروڑوں روپے کی جائیداد سے کیسے ہاتھ دھو دیتے۔

ادھر حکومت نے سینماؤں اور سٹوڈیوز کو بند کرنے کے حق میں نہیں تھی۔ کیونکہ اس شعبے سے حکومت کو روزانہ کروڑوں روپے کی آمدنی ہوتی تھی۔ اس لیے حکومت نے ان کی حفاظت کے لیے بڑے پیمانے پر بندوبست کر لیا اور ملک میں ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا گیا۔ سینماؤں اور سٹوڈیوز کی حفاظت کے لیے فوج کی مدد بھی طلب کر لی گئی۔ ملک میں ٹرنٹولا کے موضوع پر بات چیت کرنے کے لیے پابندی لگا دی گئی۔

واقعی ٹرنٹولا نے تمام ملک کو ایک عجیب پریشانی سے دوچار کر دیا تھا جس سے نپٹنے کی کوئی صورت حکومت کو نظر نہیں آ رہی تھی۔

فائروں کی آواز سنتے ہی مجمع کائی کی طرح چھٹ گیا۔ جدھر جس کا منہ آیا بھاگ گیا۔ لیکن مخالف سمت سے ایک سپورٹس کار تیزی سے قاسم کی کار کی طرف بڑھی۔ اس میں سے ایک نوجوان پھرتی سے باہر نکلا اور اس نے حمید کی لاش اٹھا کر کار میں دھکیلی اور پھر دوسرے لمحے اس کی کار ریورس گیئر میں کافی دور تک پیچھے بھاگتی چلی گئی اور پھر ایک مناسب جگہ دیکھ کر اس نے ٹرن لیا اور پھر وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ یہ سب کچھ چند لمحوں ہی میں ہو گیا۔ سب لوگ حیران پریشان تھے۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ سب کیا ہے۔ کیا انہوں نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ چند لوگوں کا خیال تھا کہ یہ سب کچھ کسی فلم کی شوٹنگ کے لیے کیا گیا ہے۔ غرضیکہ جتنی منہ اتنی باتیں۔ پھر دوسرے لمحے پولیس کی پٹرولنگ کاریں وہاں پہنچ گئیں۔ قاسم کو کار سے نکال کر پٹرولنگ کار میں ڈال کر ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ اس نوجوان کی لاش اٹھا

کر ایک اور کار کے ذریعے پولیس ہیڈکوارٹر بھیج دی گئی۔ قاسم اور اس نوجوان کی کار جو قاسم کے بالکل پیچھے تھی دھکیل کر سڑک کے کنارے پر کی گئی اور ٹریفک کھول دیا گیا۔ ٹریفک بالکل معطل ہو چکا تھا۔ چاروں طرف اس واقعے پر شدید چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ پریس رپورٹر اور پریس فوٹو گرافر بھی آن دھمکے۔

سپورٹس کار حمید کو لیے تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑتی ہوئی سڑکوں پر بھاگتی جا رہی تھی۔ کار چلانے والے کے جبڑے بھنچے ہوئے تھے۔ وہ پوری توجہ سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ چند لمحے بعد وہ ایک عظیم الشان کوٹھی کے پھاٹک پر پہنچ گیا۔ چوکیدار نے کار رکتے دیکھ کر جلدی سے پھاٹک کھول دیا اور دوسرے لمحے کار پورچ میں موجود تھی۔ اس نوجوان نے تیزی سے حمید کو اٹھا کر کمر پر لادا۔ حمید کے سارے کپڑے خون سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ اس کو تیزی سے اٹھا کر مختلف کمروں سے ہوتا ہوا بڑے سے کمرے میں آ گیا۔ یہ کمرہ اپنے سازوسامان کے لحاظ سے کسی سرجن کا آپریشن تھیٹر معلوم ہو رہا تھا۔ اس نوجوان نے پھرتی سے حمید کو سینے کے بل میز پر لٹا دیا۔ کمرے میں موجود ایک ادھیڑ عمر آدمی جس کے چہرے پر انتہائی سنجیدگی اور وقار تھا۔ حمید کی طرف بڑھا۔ اس نے حمید کی نبض چیک کی اور پھر اسے سیدھا کر کے اس کے سینے سے کان لگا دیئے اور اس کی آنکھیں کھول کر ٹارچ کی روشنی اس کی آنکھوں پر ڈالی۔ حمید کو لانے والا نوجوان اس کے قریب خاموشی سے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر امید وبیم کے سائے لہرا رہے تھے۔

ڈاکٹر نے اس کی طرف دیکھا اور کہا ابھی جان باقی ہے۔ کیس انتہائی سیریس ہے۔ میں اس کا فوراً آپریشن کرنا چاہتا ہوں اور اس نوجوان کا چہرہ اتنا سن کر کھل گیا اور اس کے منہ سے اطمینان کی ایک طویل سانس نکلی۔

ادھیڑ عمر یقیناً قابل سرجن تھا۔ اس نے میز کے پیچھے لگا ہوا بٹن دبا دیا۔ کہیں گھنٹی بجنے کی آواز آئی اور پھر چند لمحے بعد دو نرسیں اور ایک نوجوان کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ حمید کو اس حالت میں پڑے ہوئے دیکھ کر چونک پڑے۔ ڈاکٹر نے انہیں فوراً آپریشن کی تیاری کا حکم دے دیا اور وہ سب پھرتی سے آپریشن کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔

حمید کو لے آنے والا نوجوان اس دوران کمرے سے باہر چلا گیا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کوٹھی کے گول کمرے میں آیا اور چند لمحے بعد وہ کسی کو فون پر کال کر رہا تھا۔

''ہیلو زیرو ون سپیکنگ۔''——اس نے رابطہ قائم ہوتے ہی جلدی سے کہا۔

''ہارڈ سٹون۔''——دوسری طرف سے فریدی کی پروقار آواز گونجی۔ زیرو ون نے مختصر طور پر فریدی کو تمام حالات بتلائے۔

''سرجن قریشی کی کیا رپورٹ ہے۔''——اب فریدی کی آواز میں شدید پریشانی نمایاں تھی۔

''انہوں نے کہا ہے کہ ابھی جان ہے لیکن کیس انتہائی خطرناک

ہے۔ وہ آپریشن کی تیاری کر رہے ہیں۔''——زیرو ون نے بتلایا۔

''اوہ۔ میں وہیں آ رہا ہوں۔''——فریدی نے کہا۔

اور یہ سن کر زیرو ون نے رسیور کریڈل پر رکھ دیا اور دوبارہ آپریشن تھیٹر کی طرف چل پڑا۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو ڈاکٹر جو حمید کے خون کا تجزیہ کر رہا تھا سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''مسٹر زیرو ون۔ کیپٹن حمید کے خون کا گروپ بی پازیٹو ہے اور انہیں اس گروپ کے خون کی دو بوتلیں چاہئیں اور اتفاق سے ہمارے سٹاک میں بھی گروپ بی پازیٹو آج موجود نہیں ہے۔''——ڈاکٹر نے پریشانی سے کہا۔

''ڈاکٹر ہمارے اس ہیڈکوارٹر میں کسی کا بھی گروپ بی پازیٹو نہیں ہے۔''——زیرو ون کے لہجے سے بھی شدید پریشانی نمایاں تھی۔ کیونکہ اسے علم تھا کہ آپریشن فوری ہونا انتہائی ضروری ہے۔ ورنہ حمید کے بچنے کی کوئی امید نہیں رہے گی اور آپریشن کے لیے اس گروپ کے خون کا فوری انتظام انتہائی ضروری ہے۔

اتنے میں کرنل فریدی آپریشن تھیٹر میں داخل ہوا۔ اس کی آنکھیں جوش سے سرخ تھیں۔ اس کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر سب نے ہاتھ اٹھا کر سلام کئے لیکن وہ تیزی سے حمید کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس نے حمید کی نبض ہاتھ اٹھا کر دیکھی۔ پھر ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ اب اس کے چہرے پر شدید پریشانی کے آثار تھے۔ کیونکہ اسے بھی حمید کی نازک حالت کا پورا احساس ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر نے اسے خون کے متعلق

بتلایا۔

"بی پازیٹو"۔۔۔ کرنل فریدی نے چونک کر دہرایا۔

"یس سر"۔۔۔ ڈاکٹر نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"میرا بلڈ گروپ بھی بی پازیٹو ہے۔ میرا خون لے لیں۔"

"اوہ ویری گڈ"۔۔۔ ڈاکٹر کے ساتھ سب کے چہرے قدرت کی اس مہربانی پر کھل گئے۔ کیپٹن حمید اپنی باغ و بہار طبیعت کی وجہ سے تمام بلیک فورس میں انتہائی مقبول تھا۔

پھر دوسرا نوجوان جو سرجن کا اسسٹنٹ ڈاکٹر تھا۔ اس نے فریدی کو ایک بیڈ پر لٹا کر اس کا خون لینا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد دو بوتلیں نکالی جا چکی تھیں۔

کرنل فریدی حیرت انگیز آدمی تھا۔ دو بوتلیں خون نکل جانے کے باوجود بھی اس کے چہرے پر نقاہت کے قطعی کوئی آثار نہیں تھے۔ اب سرجن قریشی نے حمید کا آپریشن کرنا شروع کر دیا۔ کرنل فریدی بھی پاس کھڑا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ آپریشن کر کے گولی نکال لی گئی اور پھر زخم سی دیئے گئے۔ حمید کو سٹریچر پر ڈال کر ایک اور کمرے میں ایک بیڈ پر لٹا دیا گیا اور خون کی دوسری بوتل اس کے بازو کے ساتھ اٹیچ کر دی گئی۔

"مبارک ہو کرنل آپریشن کامیاب رہا۔ حمید موت کے منہ سے بچ کر نکل آیا ہے۔ اس میں قدرت کی مہربانی کا بڑا دخل ہے۔ گولی اگر تین انچ اوپر لگتی تو حمید کی وہیں موقع پر ہی موت واقع ہو جاتی تھی۔"

ڈاکٹر نے کرنل سے مخاطب ہو کر کہا۔

"ڈاکٹر۔ حمید کی موت کا ذکر مت کرو۔ میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا"۔۔۔ کرنل فریدی نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا اور ڈاکٹر اس فولادی آدمی کو اس طرح جذباتی دیکھ کر حیران رہ گیا۔

کرنل فریدی اب حمید کے بیڈ کے پاس بیٹھا اپنا خون اس کے جسم میں جاتا دیکھ رہا تھا اور خدا کی قدرت پر حیران تھا کہ دونوں کے خون کا گروپ بھی ایک ہے۔

کرنل کا خون قطرہ قطرہ حمید کے جسم میں جا رہا تھا اور اس کی نبض جس پر کرنل نے ہاتھ رکھا ہوا تھا آہستہ آہستہ ابھر رہی تھی۔ کرنل فریدی کا خون حمید کی رگوں میں زندگی بن کر دوڑ رہا تھا اور کرنل فریدی کا چہرہ نبض کو معمول پر آتے دیکھ کر خوشی سے گلنار ہوتا جا رہا تھا۔

دارالحکومت کے سب سے معروف کاروباری علاقے نیو وے کے کونے میں تھری سٹار ہوٹل کی عظیم الشان اور بلندو بالا عمارت کے کمپاؤنڈ میں اس وقت بے شمار کاریں موجود تھیں۔ یہ دارالحکومت کے بہترین ہوٹلوں میں سے ایک تھا۔ اس ہوٹل کی مالکہ لیڈی بہزاد ایک ادھیڑ عمر کی بیوہ خاتون تھی۔خان بہزاد اچھا صاحب جائیداد آدمی تھا۔اس کی موت کے بعد لیڈی بہزاد نے تمام مختلف رہائشی مکانات ، کوٹھیاں اور دکانیں فروخت کر کے آج سے دو سال پہلے اس عظیم الشان ہوٹل کو خرید لیا تھا۔ پھر اس کے حسن انتظام ، جدت اور چند دیگر وجوہات کی بناء پر امراء طبقے میں یہ ہوٹل مقبول ہوتا چلا گیا۔ اس مقبولیت میں جہاں اس ہوٹل کی خوبصورت ویٹرس کا ہاتھ تھا وہاں اس میں وقتاً فوقتاً ہونے والے بین الاقوامی شہرت یافتہ ڈانسروں کے رقص بھی شامل تھے۔عیاش طبقے کے لیے یہ ہوٹل کسی جنت کی حیثیت رکھتا

تھا۔ اس ہوٹل میں ایک سو کے قریب ایسے کمرے بنائے گئے تھے جو گھنٹوں کے حساب سے بھی بک کئے جاتے تھے۔ اگر کوئی چاہے تو اسے داد عیش دینے کے لیے خوبصورت سوسائٹی گرلز بھی مہیا کی جاتی تھیں۔ ہر قسم کی ملکی اور غیر ملکی شراب یہاں ملتی تھی۔ اس کے لیے لیڈی بہزاد نے باقاعدہ حکومت سے لائسنس لے رکھے تھے۔ لیڈی بہزاد کے تعلقات کا حلقہ اتنا وسیع تھا کہ پولیس اس کی طرف نظر ڈالنے کی بھی جرأت نہ کر سکتی تھی۔ یہ ہوٹل دس منزلہ تھا اور مکمل طور پر ایئر کنڈیشنڈ، جدید ہوٹلنگ کے تمام لوازمات اس ہوٹل میں مہیا کئے گئے تھے ۔سوئمنگ پول، ڈانسنگ ہال ،سکیٹنگ ہال وغیرہ وغیرہ ۔ لیڈی بہزاد نے اپنی رہائش کے لیے دسویں منزل کے دو سوٹ مستقل طور پر ریزرو کئے ہوئے تھے۔

ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں ایک سیاہ رنگ کی مرکری کار داخل ہوئی اور پھر آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی پارکنگ میں جا کر رک گئی۔ ایک طویل القامت قوی الجثہ لیکن ادھیڑ عمر کا شخص جس کے جسم پر بہترین سوٹ تھا اور ہاتھ میں تمباکو کا پائپ، کار سے اترا۔ دروازہ لاک کر کے وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا مین گیٹ کی طرف چل پڑا۔اس کے مضبوط جبڑے کی بناوٹ اس کے شدید طور پر سنگدل ہونے کی بین دلیل تھی۔ آنکھوں سے سفاکی کی لہریں نکل رہی تھیں اور چہرے پر بڑی بڑی مونچھوں نے اس کی شخصیت کو انتہائی رعب دار بنا دیا تھا۔ جیسے ہی وہ مین گیٹ کے قریب پہنچا باوردی دربان نے انتہائی ادب سے سلام کر کے دروازہ

کھول دیا۔ اس نے آہستہ سے سر جھکایا اور اندر داخل ہو گیا اور پھر باوقار قدم اٹھاتا ہوا لفٹ میں داخل ہو گیا۔ لفٹ بوائے نے اس کے کہنے پر پانچویں منزل کا بٹن دبا دیا۔ چند لمحے بعد وہ پانچویں منزل کے کاریڈور میں پہنچ گیا۔ پھر وہ کمرہ نمبر دو سو چالیس کے سامنے رک گیا۔اس نے جیب سے چابی نکالی اور پھر لاک کھول کر وہ کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہ ایک سنگل بیڈ روم تھا۔ اس نے مڑ کر دروازہ بند کر دیا اور پھر چابی کی نوک ایک چھوٹے سے سوراخ میں داخل کر دی۔ کٹک کی آواز آئی اور ڈبل لاک لگ گیا۔اب اس لاک کو باہر سے کسی طرح بھی نہیں کھولا جا سکتا تھا۔وہ کمرے میں رکے بغیر ملحقہ باتھ روم میں داخل ہو گیا۔فلش کی ٹینکی کے ہینڈل کو اس نے دو بار کھینچا اور پھر ٹینکی کا ڈھکنا اتار کر اس نے اس میں ہاتھ ڈال دیا۔ ہاتھ نکالنے کے بعد اس نے ڈھکن دوبارہ ٹینکی پر فٹ کر دیا اور ہینڈل دوبارہ کھینچا۔ ایک ہلکا سا کھٹکا ہوا اور پھر وہ جگہ جس میں وہ ٹینکی فٹ تھی آدھا گھوم گئی۔اب وہاں ایک چھوٹا سا دروازہ تھا۔ اندر ایک اور کمرہ تھا۔ اس نے سامنے والی دیوار پر لگے ہوئے سوئچ بورڈ پر ایک سرخ رنگ کا بٹن دبا دیا۔ ٹینکی والا دروازہ بند ہو گیا۔اس نے ہاتھ میں بندھی ہوئی ریڈیم ڈائل رسٹ واچ پر ایک نظر ڈالی اور پھر دوسرا بٹن دبا دیا۔اس کمرے کا فرش نیچے دھنستا چلا گیا۔ یہ ایک چھوٹی سی جدید قسم کی لفٹ تھی۔ تقریباً پانچ دس سیکنڈ تک وہ نیچے اُترتی رہی۔ پھر رک گئی۔ یہ بھی ایک چھوٹا سا کیبن تھا۔ وہ شخص کیبن کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ اب وہ ایک

بڑے ہال کمرے میں تھا۔وہ کمرہ کسی سائنسدان کی لیبارٹری معلوم ہو رہا تھا۔ چاروں طرف عجیب و غریب ساخت کی مشینیں فٹ تھیں۔ کمرے میں کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ وہ شخص ایک بڑی سی مشین کے سامنے رکھی ہوئی فولادی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے مشین کے ساتھ ملحقہ ہیڈ فون کو کانوں پر لگایا اور پھر مشین کا بٹن دبا دیا۔مشین میں زندگی سی دوڑ گئی۔ مختلف ڈائلوں پر سوئیاں تھرکنے لگیں۔اس نے ایک اور بٹن دبا دیا۔مشین کے ساتھ لگے ہوئے مائیکروفون میں گانے کی آوازیں آنے لگیں۔ یہ گانے قومی ریڈیو سے نشر کئے جا رہے تھے۔ وہ تقریباً دو منٹ تک ریڈیو کی نشریات سنتا رہا۔ پھر اس نے ایک سرخ رنگ کا بٹن دبا دیا۔ ریڈیو کی نشریات میں گڑبڑ ہونے لگ گئی اور آہستہ آہستہ گانے کی آواز مدھم ہونی شروع ہو گئی۔ایک لمحے کے بعد گانے کی مدھم آواز بھی ختم ہو گئی۔اس نے سامنے پڑا ہوا سپیکر اٹھا کر منہ سے لگا لیا اور پھر غراتی ہوئی آواز میں بولا۔

”ہیلو ہیلو میں ٹرنٹولا بول رہا ہوں۔ ٹرنٹولا ایک عظیم قوت ہے۔ٹرنٹولا جو عوام کا نمائندہ ہے، میں نے تین دن پہلے اپنے اخباری بیان میں حکومت کو خبردار کیا تھا کہ وہ عوام کی اخلاقی حالت سدھارنے کے لیے فوری طور پر ملک کے تمام سینما اور سٹوڈیوز قطعی طور پر بند کرنے کا اعلان کر دے۔ اس کے لیے میں نے حکومت کو تین دن کی مہلت دی تھی لیکن مجھے افسوس ہے کہ حکومت نے ابھی تک اس

سلسلے میں کوئی اعلان نہیں کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسے عوام سے کوئی دلچسپی نہیں۔وہ صرف عوام سے بے پناہ ٹیکس وصول کرنے کی قائل ہے ۔لیکن ٹرنٹولا نے فیصلہ کرلیا ہے کہ وہ عوام کی حالت سدھار کے ہی دم لے گا۔ چاہے مجھے اس کے لیے حکومت کی پوری مشینری سے ہی کیوں نہ ٹکرانا پڑے۔ ویسے پچھلے دو تین واقعات سے حکومت کو ٹرنٹولا کی بے پناہ قوت اور طاقت کا پوری طرح علم ہوچکا ہے۔ میری دی ہوئی مہلت میں سے صرف ایک گھنٹہ باقی رہ گیا ہے۔ اگر اس ایک گھنٹہ کے دوران حکومت نے سینما اور سٹوڈیوز بند کرنے کا اعلان نہ کیا تو اب سے ٹھیک ایک گھنٹہ بعد ملک کے تمام سینما اور سٹوڈیوز ڈائنامائیٹ سے تباہ کر دیئے جائیں گے۔ چاہے حکومت ان کی حفاظت کا کتنا ہی انتظام کرلے ٹرنٹولا نے جو اعلان کیا ہے وہی ہوگا۔ ٹرنٹولا عظیم قوت ہے۔ ٹرنٹولا سے ٹکرانا اپنی موت کو دعوت دینا ہے۔

عوام کے مفادات کا نگران

ٹرنٹولا

یہ کہہ کر اس نے سپیکر رکھ دیا اور سرخ بٹن آف کر دیا۔ پھر فون پر دوبارہ گڑبڑ شروع ہوگئی۔ اب آہستہ آہستہ اسی گانے کی آواز واضح ہونی شروع ہوگئی اور چند لمحے بعد وہی گانا دوبارہ نشر ہو رہا تھا۔ پھر

اچانک گانا رک گیا اور اناؤنسر کی آواز آنی شروع ہوگئی۔

''سامعین معاف فرمایئے۔ چند نامعلوم وجوہات کی بناء پر چند منٹ تک آپ ہماری نشریات نہ سن سکے۔ ہم ان وجوہات کو ٹریس کرنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ اب آپ ایک اور گانا سنیئے۔''

اس شخص نے مشین کے دوسرے بٹن بھی آف کر دیئے اور ہیڈ فون اتار کر دوبارہ مشین کے ساتھ لگے ہوئے ہک کے ساتھ لٹکا دیا۔ اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ تھی۔ اسے اچھی طرح علم تھا کہ حکومت کے ماہر ٹرنٹولا کے اس نشریئے کا مخرج معلوم کرنے کے لیے سرتوڑ کوشش کر رہے ہوں گے لیکن اسے یقین تھا کہ اگر ساری عمر بھی لگے رہیں تب بھی وہ اس مشین تک نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ اس مشین کے ورک کرنے کا طریقہ کار اس قسم کی باقی مشینوں سے بالکل علیحدہ ہے۔ عام طور پر تفتیش ہوا کی لہروں کی طاقت اور ہوا کے رخ کو سامنے رکھ کر کی جاتی ہے۔ یہ ٹرانسمیٹر آواز کی برقی لہروں کو پہلے چاروں طرف پھیلا دیتی ہے۔ پھر تمام لہریں بہت اونچی فضا میں اپنا ایک مرکز قائم کرتی ہیں اور پھر صحیح طریقے سے اس مرکز سے پھیل کر ریڈیو کے ایریل کے ذریعے سنی جا سکتی ہیں۔اس لیے ماہرین اس مرکز تک تو یقیناً پہنچ جائیں گے جو دور کہیں آسمانوں میں ہوگا لیکن اس کے آگے اندھیرا ہوگا اور وہ یقیناً یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ یہ آواز ضرور کسی نامعلوم سیارے یا اونچی پرواز کے طیارے سے نشر کی گئی ہے اور پھر وہ اسی لائن پر سر پٹکتے رہ جائیں گے۔ یہی سوچتے ہوئے وہ کرسی

سے اٹھ کھڑا ہوا اور پھر وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا ایک اور مشین کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس مشین کے اوپر درمیانی سائز کی سکرین بھی فٹ تھی۔ اس نے مشین کا ایک بٹن دبا دیا۔ دوسرے لمحے سکرین روشن ہوگئی۔ سکرین پر ایک بہت بڑے ہال کی تصویر ابھر آئی۔ یہ کسی بہت بڑے سائنسدان کی لیبارٹری معلوم ہو رہی تھی اور اس میں تقریباً دس بارہ آدمی مختلف مشینوں پر کام کر رہے تھے۔ ٹرنٹولا نے ایک اور بٹن دبایا تو ہال میں کام کرنے والے تمام افراد چونک پڑے۔ یقیناً اس کے بٹن دبانے سے وہاں گھنٹی بجی ہوگی۔ ٹرنٹولا نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''نمبر سکس، فور اور تھرٹین۔ فوراً بلیک روم میں پہنچ جاؤ۔''

اور پھر ان آدمیوں میں سے تین نے آہستہ سے سر جھکا دیا۔ ٹرنٹولا نے بٹن آف کر دیا۔ سکرین صاف ہوگئی۔

پھر وہ درمیان میں رکھی ہوئی ایک میز پر بیٹھ گیا۔ جیب سے اس نے ایک سرخ رنگ کا نقاب نکال کر چہرے پر لگا لیا۔ اس نقاب پر سنہری دھاگوں سے ایک بہت بڑی مکڑی بنی ہوئی تھی۔ چند لمحوں بعد سامنے والے دروازے پر لگا ہوا سرخ رنگ کا بلب سپارک ہونا شروع ہوگیا۔ ٹرنٹولا نے اس کے کنارے پر لگا ہوا بٹن دبا دیا۔ سرخ بلب سپارک ہونا بند ہوگیا اور دروازہ آہستہ آہستہ کھل گیا۔ سامنے وہی تین آدمی موجود تھے جنہوں نے سر جھکائے ہوئے تھے۔ وہ تینوں مؤدبانہ طور پر اندر داخل ہوئے اور ان کے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔ وہ تینوں ایک طرف خاموش کھڑے ہوگئے۔ ان کی نظریں فرش

پر لگی ہوئی تھیں۔ ٹرنٹولا نے ایک لمحے کے لیے بغور ان کی طرف دیکھا اور پھر غراہٹ آمیز لہجے میں کہا۔

''میں نے حکومت کو جو ریڈیو پر چیلنج دیا ہے وہ تم نے سن لیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ حکومت سینما اور سٹوڈیوز کی شدت سے حفاظت کرے گی۔ میں نے انہیں ایک گھنٹے کی مہلت دی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس بار زیرو فور کی مشین استعمال کی جائے۔ تم تینوں نے اسے آپریٹ کرنا ہے۔''۔۔۔۔ ٹرنٹولا نے حکم دیا۔

''اوکے باس۔''۔۔۔۔ تینوں نے سر جھکاتے ہوئے ادب سے کہا۔

''نمبر سکس اور تھرٹین تم دونوں مشین سیٹ کرو اور نمبر فور تم ملک کا تفصیلی نقشہ ریکارڈ سے نکال لاؤ۔''۔۔۔۔ ٹرنٹولا نے کہا۔

اور نمبر فور سر جھکا کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ٹرنٹولا نے میز پر لگا ہوا بٹن دبا دیا اور دروازہ کھل گیا۔ نمبر فور باہر چلا گیا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ نمبر سکس اور تھرٹین ہال کے ایک کونے میں رکھی ہوئی ایک دیو ہیکل اور بظاہر انتہائی پیچیدہ مشین کی طرف بڑھ گئے۔ اس مشین کے نیچے پہیے لگے ہوئے تھے۔ وہ اسے گھسیٹ کر ہال کے درمیان میں لے آئے اور پھر نمبر تھرٹین نے مشین کے کونے سے ایک راڈ نکالی اور پھر ایک چھوٹا سا ہینڈل گھمانا شروع کر دیا۔ یہ راڈ ہال کی چھت کی طرف بلند ہونے لگا۔ چند ہی لمحے بعد وہ راڈ کا سرا چھت کے قریب پہنچ گیا اور پھر وہ چھت سے ٹکرا گیا۔ کھٹ کی آواز آئی اور عین اسی جگہ راڈ

کے قطر کے مطابق سوراخ ہو گیا۔ راڈ باہر نکلتی چلی گئی۔ نمبر تھرٹین نے ہینڈل گھمانا بند کر دیا۔ ٹرنٹولا خاموشی سے کرسی پر بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ ایک بار پھر دروازے پر لگا ہوا سرخ بلب سپارک ہونا شروع ہو گیا۔ ٹرنٹولا نے دوبارہ وہی بٹن دبا دیا۔ دروازہ کھلا اور نمبر فور ہاتھ میں ایک بہت بڑا کاغذ فولڈ کئے اندر داخل ہوا۔ اس نے وہ کاغذ ٹرنٹولا کے سامنے رکھی ہوئی میز پر پھیلا دیا۔ یہ ملک کا ایک تفصیلی نقشہ تھا۔ اس جیسا تفصیلی نقشہ شائد حکومت کے پاس بھی نہ ہو۔ اس نقشہ میں جنگل، کھیت، شہر، قصبہ اور گاؤں وغیرہ پوری پوری تفصیل سے بنے ہوئے تھے۔ شہروں کی چھوٹی سی چھوٹی اور بڑی سی بڑی گلی اپنے ناموں سمیت موجود تھی۔ دو منزلہ تین منزلہ مکانوں کے علاوہ ہوٹل، تمام سٹوڈیوز، کیفے کلب، عبادت گاہیں غرضیکہ ہر چیز اپنی مکمل تفصیل کے ساتھ موجود تھی۔ یہ نقشہ ٹرنٹولا نے تیار کرایا تھا۔

"نمبر فور اب جہاں جہاں سینما اور سٹوڈیوز ہیں ان کے گرد سرخ دائرے لگا دو۔" ——— ٹرنٹولا نے نمبر فور کو حکم دیا۔

اور نمبر فور نے جیب سے سرخ پنسل نکالی اور نقشے پر جھکا اور تھوڑی دیر بعد تمام نقشے پر سرخ دائرے نظر آ رہے تھے۔

"کل کتنی تعداد ہے۔" ——— ٹرنٹولا نے نقشے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

اور نمبر فور ایک بار پھر نقشے پر جھک گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ دائروں کو گنتا رہا اور پھر اس نے کہا۔

"باس پینتیس سٹوڈیوز اور چھ سو سینما ہیں۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔ اب تم بھی نمبر سکس اور تھرٹین کا مشین کی سیٹنگ میں ہاتھ بٹاؤ۔" ——— اور نمبر فور بھی ادھر مڑ گیا جہاں نمبر سکس اور تھرٹین مشین پر جھکے کھڑے تھے۔

نمبر سکس مختلف تاروں کو ایک دوسرے کے ساتھ جائنٹ کر رہا تھا اور نمبر تھرٹین مشین کے ساتھ لگے ہوئے ایک بہت بڑے شفاف قیف کی مدد سے کوئی سیال مادہ ڈال رہا تھا۔

نمبر فور نے مشین پر لگے ہوئے سینکڑوں ڈائلوں کو مختلف بٹنوں کے ذریعے چیک کرنا شروع کر دیا۔ وہ تینوں پوری تندہی سے اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ ٹرنٹولا نقشے پر جھکا ہوا ہر چیز کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایک بار نقشے سے سر اٹھا کر کلائی میں بندھی ہوئی ریسٹ واچ پر نظر ڈالی اور پھر ان تینوں سے کہا۔

"ہری اپ۔ پچیس منٹ رہ گئے ہیں۔"

اور ان تینوں کے ہاتھ اور بھی تیزی سے چلنے لگے۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ فارغ ہو گئے۔

"باس مشین آپریٹ کے لیے تیار ہے۔" ——— نمبر سکس نے جھک کر کہا۔

"اس نقشے کو اٹھا کر سکرین پر سیٹ کر دو اور تمام دائروں کا فوکس قائم کر لو۔" ——— ٹرنٹولا نے حکم دیا۔

اور نمبر فور نے آگے بڑھ کر میز پر سے وہ نقشہ اٹھا لیا اور پھر وہ

تینوں مل کر مشین پر لگی ہوئی ایک بہت بڑی سکرین پر وہ نقشہ سیٹ کرنے لگے۔ چند لمحے بعد وہ نقشہ سکرین پر فٹ ہو گیا۔ نقشہ شیشوں کے درمیان فٹ ہو گیا تھا اور شیشے پر مختلف رنگوں میں نمبر ہی نمبر پھیلے ہوئے تھے۔ نمبر فور نے سرخ دائروں پر آنے والے نمبروں کو پڑھنا شروع کیا اور نمبر سکس نے مختلف دائروں پر بنے ہوئے انہی نمبروں پر سوئیاں ایڈجسٹ کرنی شروع کر دیں۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ تمام نمبروں کو ڈائلوں پر سیٹ کر چکا تھا۔

''فوکس سیٹ ہو گئے جناب۔''۔۔۔۔۔ نمبر فور نے ٹرنٹولا سے مخاطب ہو کر کہا۔

''ٹھیک ہے۔ ایک گھنٹہ گزرنے میں صرف پانچ منٹ رہ گئے ہیں میں حکومت کو آخری وارننگ دے دوں۔''۔۔۔۔۔ ٹرنٹولا نے کرسی سے اٹھ کر اسی مشین کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ جس سے اس نے پہلے قومی ریڈیو کی نشریات روک کر اپنا پیغام نشر کیا تھا۔ چند لمحے بعد وہ سپیکر میں بول رہا تھا۔

''ٹرنٹولا آپ سے مخاطب ہے۔ میری دی ہوئی مدت میں صرف چار منٹ باقی رہ گئے ہیں۔ ٹھیک چار منٹ بعد ملک کے تمام سینما اور سٹوڈیوز تباہ کر دیئے جائیں گے۔ حکومت نوٹ کرے۔''

عوام کے مفادات کا نگران

ٹرنٹولا

اس نے مختصر سے الفاظ میں وارننگ دی اور مشین بند کر کے دوبارہ زیرو فور کی مشین کی طرف بڑھا اور اس نے ایک لمحے کے لیے تمام مشین پر سرسری نظریں ڈالیں اور پھر اطمینان کا سانس لیتے ہوئے گھڑی کی طرف دیکھنے لگا۔ وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔ سیکنڈوں والی سوئی تیزی سے ڈائل پر گھومتی چلی جا رہی تھی۔ جب ایک منٹ رہ گیا تو ٹرنٹولا نے ہاتھ اوپر اٹھا لیا۔ نمبر فور نے ایک سرخ رنگ کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ بظاہر اس کی انگلی ایک چھوٹے سے بٹن پر تھی۔ لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کی انگلی دراصل چھ سو پچیس عظیم الشان عمارتوں کی مکمل تباہی پر رکھی ہوئی ہے۔ نجانے یہ عمارتیں کن کن لوگوں نے کتنے پاپڑ بیلنے کے بعد تیار کرائی ہوں گی۔ نجانے ان پر کتنے ارب روپے خرچ ہوئے ہوں گے اور اب وہ سب صرف اس کی انگلی کے رحم و کرم پر تھے۔ کتنی قوت اور تباہی تھی اس کی اس انگلی میں جو بظاہر ایک معمولی سی انگلی تھی۔ ایسی انگلی جو ملک کے پچیس کروڑ انسانوں کے ہاتھوں میں بھی موجود تھی لیکن پچیس کروڑ افراد میں سے اس وقت سب سے اہم انگلی اسی کی تھی۔

اچانک ٹرنٹولا کا ہاتھ نیچے آیا اور دوسرے لمحے نمبر فور نے انگلی کے پورے زور سے بٹن کو دبا دیا۔ ساری مشین میں بجلیاں سی چمکنے لگیں۔ راڈ کا رنگ سرخ ہو گیا۔ مختلف ڈائلوں میں بلب جلنے لگے۔ ایک سیٹی کی آواز مشین سے نکلنی شروع ہو گئی۔ آپریشن شروع ہو چکا تھا۔ ٹرنٹولا ایک بہت بڑے ڈائل کو دیکھ رہا تھا۔ جس پر ایک سے دس ہزار تک نمبر

لگے ہوئے تھے۔ سوئی آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی اور پھر جیسے ہی سوئی چھ سو پچیس پر پہنچی ایک جھپاکا سا ہوا اور مشین بند ہو گئی۔ ٹرنٹولا نے ایک طویل سانس لی اور پھر وہ ہال کے دوسرے کونے میں رکھی ہوئی ایک مشین کی طرف بڑھ گیا۔ اس مشین پر بھی کافی بڑی سکرین لگی ہوئی تھی۔ اس نے بٹن دبا دیا اور مشین چل پڑی اور اس کی سکرین پر لہریں سی کودنے لگیں۔ اس نے ہینڈل گھمانا شروع کر دیا۔ نمبر فور سکس اور تھرٹین اس کے پیچھے کھڑے تھے۔ پھر مشین پر دارالخلافہ کا نظارہ نظر آنے لگا اور پھر دارالخلافہ کی حالت دیکھ کر ٹرنٹولا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس شہر میں آگ اور دھواں پھیلا ہوا تھا۔ مختلف جگہوں پر آگ کے شعلے آسمان کی بلندیوں کو چھو رہے تھے۔

سارے شہر میں لوگ دیوانہ وار چیختے ہوئے بھاگ رہے تھے۔ فائر بریگیڈ کی گاڑیاں سائرن بجاتی ہوئی مختلف سڑکوں پر بھاگ رہی تھیں۔ سارے شہر میں ملٹری پھیلی ہوئی تھی۔ ٹرنٹولا نے ایک اور ہینڈل گھمانا شروع کر دیا۔ منظر آہستہ آہستہ کلوز ہونا شروع ہو گیا۔ اب سکرین پر ایک بہت بڑے سٹوڈیو کا منظر ابھر آیا تھا۔ سٹوڈیو کے تمام فلور آگ کے شعلوں میں گھرے ہوئے تھے۔ اس میں بنی ہوئی عمارتیں چیخ چیخ کر گر رہی تھیں۔

سٹوڈیو کے چاروں طرف ملٹری کا پہرہ تھا۔ فائر بریگیڈ آگ بجھانے میں مصروف تھے لیکن آگ ہر لمحے زور پکڑتی جا رہی تھی۔ عمارت کے اردگرد بہت سی لاشیں ملبے میں دبی ہوئی تھیں۔ جن میں

سپاہیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ شاید وہ عمارت کی حفاظت پر متعین تھے اور عمارت کی تباہی کا شکار ہو گئے۔ ٹرنٹولا نے ہینڈل دوبارہ گھمانا شروع کر دیا۔ چند لمحے بعد سارے شہر کے سینما اور سٹوڈیوز کی تباہی کا منظر سکرین پر دیکھا جا رہا تھا۔ اب اس نے بڑا ہینڈل تیزی سے گھمانا شروع کر دیا۔ منظر صاف ہوتا گیا اور پھر اس نے دوسرے بڑے شہروں کے فوکس لیے۔ ہر طرف تباہی ہی تباہی مچی ہوئی تھی۔ ٹرنٹولا اپنے مشن میں قطعی طور پر کامیاب رہا تھا۔ اس نے ایک زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے مشین بند کر دی۔ سکرین تاریک ہو گئی۔

”اونہہ۔ ٹرنٹولا سے ٹکرانے چلے تھے۔“ ——— ٹرنٹولا نے نخوت سے کہا اور اس کے پیچھے کھڑے ہوئے تینوں آدمیوں نے زور سے نعرہ مارا۔

”ٹرنٹولا عظیم قوت ہے۔“

”زیرو فور کی مشین بند کر کے کونے میں لگا دو۔“ ——— ٹرنٹولا نے انہیں حکم دیتے ہوئے کہا۔

اور وہ تینوں لپک کر مشین کی طرف چلے گئے اور ایک بار پھر راڈ چھت سے نیچے آنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد وہ مشین بند کر کے کونے میں لگا چکے تھے۔

”اب تم جاؤ۔“ ——— ٹرنٹولا نے انہیں حکم دیا اور میز پر لگے ہوئے بٹن کو دبا دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ وہ تینوں سر جھکائے کمرے سے باہر چلے گئے اور دروازہ بند ہو گیا۔ ٹرنٹولا نے نقاب اتار کر کوٹ کی

جیب میں رکھا اور الماری میں سے شراب کی بوتل نکال کر اس کا کارک کھولا اور منہ سے لگا لی اور اس وقت منہ سے ہٹائی جب وہ خالی ہو چکی تھی۔ خالی بوتل اس نے زور سے فرش پر دے ماری اور منہ پونچھتا ہوا اسی دروازے کی طرف بڑھ گیا جدھر سے وہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔

کرنل فریدی بلیک فورس کے ہیڈکوارٹر میں اپنے مخصوص کمرے میں بیٹھا تھا۔ اس کی میز پر ایک سرخ رنگ کا ٹیلی فون پڑا تھا۔ پاس ہی ایک ایزی چیئر پر حمید لیٹا ہوا تھا۔ نقاہت کی وجہ سے اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ کرنل فریدی کی آنکھیں سرخ تھیں۔ وہ سامنے والی دیوار پر نظریں گاڑے خاموش بیٹھا تھا اور نجانے کس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ حمید خاموشی سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا جو ہر لمحے رنگ بدل رہا تھا۔ جب کافی دیر گزر گئی اور فریدی کے انداز میں فرق نہ آیا تو اس سے نہ رہا گیا اور وہ بول پڑا۔ گو آواز کافی نحیف تھی لیکن لہجے میں شوخی بدستور موجود تھی۔

”میں نے کہا جاسوس اعظم صاحب۔ کیا دیوار سے چمٹی ہوئی مکڑی کی ٹانگیں گن رہے ہو۔“

”آں۔ کیا کہا مکڑی۔“ ـــــ فریدی نے چونکتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں مکڑی ہی کہا تھا ہاتھی نہیں۔“ ـــــ حمید نے جواب دیا۔

”ہاں حمید اس وقت ہمارا ملک ایک بہت بڑی مکڑی کی خوفناک ٹانگوں میں جکڑا ہوا ہے۔“ ـــــ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

اس سے پہلے کہ حمید کوئی جواب دیتا ٹیلی فون کی گھنٹی زور زور سے بجنے لگی۔ فریدی نے پھرتی سے ریسیور اٹھا کر کانوں سے لگا لیا۔

”ہارڈ سٹون۔“ ـــــ فریدی کی سرد آواز گونجی۔

”ون سکس جناب۔“ ـــــ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”کیا پوزیشن ہے۔“ ـــــ فریدی کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی تھی۔

”سر کوئی سراغ نہیں لگ سکا۔ بس لوگوں نے بیک وقت تمام سینماؤں اور سٹوڈیوز کی عمارتوں پر ایک شعلہ سا چمکتا دیکھا اور دوسرے لمحے زور دار دھماکوں سے ان میں آگ لگ گئی۔ بے پناہ نقصان ہوا ہے۔“

”ڈائنامائیٹ کا کوئی سراغ نہیں لگا۔“ ـــــ فریدی نے اسی لہجے میں کہا۔

”نہیں جناب۔ یہ تمام عمارتیں ڈائنامائیٹ سے ہرگز تباہ نہیں کی گئیں۔ میں نے پوری طرح دیکھ بھال کی ہے۔“ ـــــ ون سکس کی اعتماد سے بھرپور آواز آئی۔

”کیا ان عمارتوں کے اردگرد کوئی مشتبہ آدمی تو نظر نہیں آیا۔“

”نہیں سر۔ ہمارے آدمی تمام عمارتوں کے گرد پھیلے ہوئے تھے۔

ایسا کوئی آدمی وہاں نظر نہیں آیا۔“

”اچھا نگرانی جاری رکھو۔ جیسے ہی کوئی مشتبہ آدمی نظر آئے مجھے اطلاع دینا۔“ ـــــ فریدی نے اسے حکم دیا اور رسیور رکھ دیا۔

”اس بار عجیب قسم کا مجرم ٹکرایا ہے۔ اتنی بڑی تباہی مچادی اور کوئی سراغ نہیں لگ رہا۔“ ـــــ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

”ہاں حمید معاملہ کچھ اسی قسم کا ہے۔“ ـــــ فریدی نے مختصر سا جواب دیا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی ایک بار پھر بج اٹھی۔ فریدی نے دوبارہ رسیور اٹھا کر کانوں سے لگا لیا۔

”ہارڈ سٹون۔“ ـــــ فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

”الیون تھرٹین سر۔“ ـــــ دوسری طرف سے کسی لڑکی کی آواز فریدی کے کانوں سے ٹکرائی۔

”یس کیا رپورٹ ہے۔“ ـــــ فریدی نے قدرے نرمی سے کہا۔

”سر۔ کیپٹن حمید سے ٹکرانے والے مجرم کا ایک سراغ ملا ہے۔“

”پوری رپورٹ دو۔ رک مت جایا کرو۔“ ـــــ فریدی غرایا۔

”یس۔ یس سر۔“ ـــــ دوسری طرف سے لڑکی فریدی کی غراہٹ سے گھبرا گئی۔

”سر۔ اس کے کپڑوں پر پائے جانے والے لانڈری کے نشان سے پتہ چلا ہے کہ اس کا نام مارٹن تھا اور وہ بندرگاہ کے راکسی بار کے مالک کا پروردہ غنڈہ تھا۔“

''راکسی بار۔''______فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں۔''______الیون تھرٹین نے آہستہ سے کہا۔

''ویری گڈ۔ نمبر تھرٹین تمہاری یہ رپورٹ انتہائی اہم ہے۔ میں تمہاری کارکردگی سے بے انتہا خوش ہوں۔''______فریدی نے کہا۔

''تھینک یو سر۔''______الیون تھرٹین کی آواز میں خوشی کی جھنکار تھی۔

''حمید تم آرام کرو۔ میں ذرا راکسی بار تک ہو آؤں۔''______فریدی نے حمید سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''نہیں جناب۔ بندہ بھی ساتھ جائے گا۔ اب میری کمزوری دور ہو چکی ہے اور دوسرے میں اس کیس میں پوری سنجیدگی سے کام کروں گا۔ میں نے ٹرنٹولا سے اپنا انتقام لینا ہے۔''______حمید نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

''اوکے۔ مجھے خوشی ہے۔''______فریدی نے اطمینان سے کہا اور حمید بھی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''چلو۔ پہلے میک اپ کر لیں۔''______فریدی نے کہا۔

اور پھر دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے ایک کمرے میں چلے گئے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد جب وہ دوبارہ اس کمرے میں آئے تو دونوں اپنی شکلوں اور لباس سے خطرناک قسم کے غنڈے معلوم ہو رہے تھے۔

وہ دونوں مختلف کمروں سے گزرتے ہوئے اس عمارت کے کمپاؤنڈ میں آئے اور پھر فریدی نے گیراج سے پانچ سو ہارس پاور کی ہیوی موٹر

سائیکل نکالی۔ چند لمحے بعد وہ موٹر سائیکل فراٹے بھرتی ہوئی بندرگاہ والی سڑک پر بھاگتی جا رہی تھی۔ فریدی موٹر سائیکل چلا رہا تھا اور حمید اس کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔

''کیا مار دھاڑ کا ارادہ بھی ہے۔''______حمید نے زور سے بولتے ہوئے کہا۔ فریدی نے ایک لمحے کے لیے سپیڈ کم کر دی اور مڑ کر کہا۔

''یہ تو حالات بتائیں گے۔''______اور پھر سپیڈ تیز کر دی۔ حمید خالص غنڈوں سٹائل میں سیٹی بجانے لگا۔ پاس سے گزرتی ہوئی دو تین گاڑیوں میں بیٹھی ہوئی لڑکیوں کو اس نے فحش قسم کے اشارے بھی کئے اور وہ لڑکیاں منہ بنا کر رہ گئیں۔

''یہ غنڈہ لائف بھی انتہائی دلچسپ ہے بشرطیکہ کرنل فریدی سے ٹکراؤ نہ ہو۔''______حمید نے کہا اور فریدی ہنس پڑا۔

''کیا خیال ہے۔ پھر مستقل طور پر غنڈے بن جائیں۔''فریدی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''واہ واہ مزا آ جائے گا۔ پورے ملک میں اپنی دھاک بیٹھ جائے گی۔''______حمید نے تصور ہی تصور میں مزے لیتے ہوئے کہا۔

''تو کیا اب کیپٹن حمید کی کوئی دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔''______فریدی نے مزے لینے کے لیے حمید کو چھیڑا۔

''خاک دھاک بیٹھی ہے۔ ساری آزادی اس عہدے نے سلب کر رکھی ہے۔ اپنے سٹیٹس کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔''

''یہ تمہیں سٹیٹس کا خیال کب سے آنے لگ گیا۔''______فریدی

نے حیرت سے پوچھا۔

"تو آپ کا خیال ہے بندہ سرے سے مخبو ہے۔"۔۔۔۔۔ حمید نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"اپنے لیے بڑا صحیح لفظ استعمال کیا ہے۔"۔۔۔۔۔ فریدی نے کہا۔

اور حمید منہ بگاڑ کر رہ گیا اور پھر موٹر سائیکل کی رفتار بتدریج زیادہ ہونی شروع ہوگئی۔تھوڑی دیر بعد وہ بندرگاہ پہنچ چکے تھے۔ چند ہی لمحے بعد راکسی بار کے سامنے موٹر سائیکل رک گئی۔ فریدی اور حمید نیچے اترے۔موٹر سائیکل سٹینڈ پر کھڑی کی اور پھر دونوں خالص غنڈوں کے سٹائل میں اکڑتے ہوئے بار میں داخل ہوئے۔

شام کا وقت تھا اس لیے بار کی تمام میزیں آباد تھیں۔ زیادہ تعداد غنڈوں کی تھی۔ کاؤنٹر پر ایک لمبا تڑنگا آدمی جس کی بڑی بڑی مونچھیں اس کے چہرے کو اور بھی زیادہ ہیبت ناک بنا رہی تھیں کھڑا تھا۔ یہ راکسی بار کا مالک راجر تھا۔ انتہائی نامی گرامی غنڈہ۔فطری طور پر بے رحم اور سفاک ہونے کی وجہ سے تقریباً تمام غنڈے اس سے دبتے تھے۔ چار بار قتل کے الزام میں جیل کی ہوا بھی کھا آیا تھا لیکن دم خم وہی تھے۔ اس نے کڑی نظروں سے فریدی اور حمید کی طرف دیکھا۔ وہ انہیں پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ فریدی اور حمید کاؤنٹر کی طرف آئے۔ فریدی نے کاؤنٹر پر کہنی ٹیکتے ہوئے ایک بار غور سے راجر کی آنکھوں میں دیکھا۔ راجر فریدی کی آنکھوں سے نکلنے والی چمک سے ایک لمحے کے لیے گھبرا گیا۔حمید گردن اکڑائے سارے ہال کو دیکھ رہا

تھا۔ ہال میں بیٹھے ہوئے تمام غنڈے حیرت سے ان دو نئے غنڈوں کو دیکھ رہے تھے جو راجر کے سامنے اس انداز میں کھڑے تھے۔ انہیں دل ہی دل میں ان نوواردوں سے ہمدردی ہونے لگی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ انہیں راجر کے متعلق علم نہیں ہے۔اس لیے اس انداز میں اس کے سامنے کھڑے ہیں۔ اب موت ان کا مقدر بن چکی ہے۔

"کیا بات ہے۔"۔۔۔۔۔ راجر نے انتہائی بھیانک انداز میں پوچھا۔

"مارٹن کہاں ہے۔"۔۔۔۔۔ فریدی نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا اور راجر مارٹن کا نام سن کر چونک پڑا۔ ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں الجھن کے تاثرات ابھرے لیکن دوسرے لمحے وہ پہلے سے بھی زیادہ غراہٹ بھرے لہجے میں بولا۔

"کون ہو تم۔سیدھے کھڑے ہو کر بات کرو۔"

اور پھر سارا ہال زوردار تھپڑ کی آواز سے گونج اٹھا۔ راجر کے چہرے پر پڑنے والے زوردار تھپڑ نے اسے لڑکھڑا دیا تھا۔ سارا ہال حیرت سے اپنی اپنی کرسیوں سے اٹھ کھڑا ہوا۔ چند غنڈے ان کی طرف لپکے لیکن راجر نے انہیں ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔ اس کا گال سرخ ہو چکا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔ چہرہ بگڑ گیا تھا۔ وہ انتہائی کینہ توز نظروں سے فریدی کو گھور رہا تھا۔

"مارٹن کہاں ہے۔"۔۔۔۔۔ فریدی نے میز پر مکا مارتے ہوئے

کہا۔

لیکن راجر جواب دینے کی بجائے تقریباً اڑتا ہوا فریدی پر آیا۔ وہ فریدی کی ناک پر ٹکر مارنا چاہتا تھا۔ فریدی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا اور وہ سیدھا فریدی کے پیچھے کھڑے ہوئے حمید پر آیا۔ حمید نے اطمینان سے اپنا گھٹنا اونچا کر دیا۔ اندازہ بالکل صحیح ثابت ہوا۔ راجر کی ناک حمید کے گھٹنے سے ٹکرائی اور وہ ڈکراتا ہوا فرش پر گر پڑا۔ چوٹ زوردار تھی۔ اس کی ناک سے خون بہنے لگا۔ لیکن وہ پھرتی سے اٹھ کھڑا ہوا لیکن ایک بار پھر فرش پر آ گرا کیونکہ اس کی پشت پر فریدی کی زوردار لات لگی تھی۔ سارے ہال میں شور مچ گیا اور چار غنڈوں سے جو راجر کے پیچھے تھے نہ رہا گیا اور وہ چاقو نکال کر ان کی طرف لپکے۔

”سنبھالو انہیں۔“ ــــــ فریدی نے زور سے چیخ کر حمید سے کہا۔

حمید نے پھرتی سے جیب سے ریوالور نکالا اور پھر اس کی انگلی ٹریگر پر دبتی چلی گئی۔ یکے بعد دیگرے کئی چیخیں بلند ہوئیں۔ حمید کی طرف لپکنے والے غنڈے فرش پر گر کر تڑپنے لگے۔ ریوالور پر سائیلنسر فٹ تھا۔ اس لیے ریوالور کے دھماکے نہیں ہوئے۔ یہ حالت دیکھ کر باقی لوگ تیزی سے بار سے باہر بھاگنے لگے۔ ادھر فریدی نے راجر کی گردن پکڑ کر ایک زوردار جھٹکا دیا اور وہ چیخ پڑا۔ اس کے ہاتھ پیر یک لخت ڈھیلے ہو گئے۔ شاید یہ کسی رگ کے دبنے کا اثر تھا۔

”بتاؤ مارٹن کہاں ہے ورنہ ابھی گردن توڑ دوں گا۔“ ــــ فریدی

نے بھیانک آواز میں کہا۔

”بتاتا ہوں بتاتا ہوں۔“ ــــــ راجر پھنسی پھنسی آواز میں کہنے لگا۔

اور فریدی نے جھٹکا دے کر اسے دور پھینک دیا۔ وہ گردن سہلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ خون کے دباؤ کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ناک سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا۔ اس نے ایک نظر خالی ہال پر ڈالی اور پھر چند غنڈوں کی طرف دیکھ کر غصے میں کہنے لگا جو ابھی تک بت بنے سارا تماشا دیکھ رہے تھے۔

”جلدی کرو یہ لاشیں اٹھا کر فرش صاف کر دو۔“

اور خود فریدی کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے کاؤنٹر کے ساتھ والے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ حمید نے ریوالور جیب میں رکھ لیا۔ پھر دونوں راجر کے پیچھے اس دروازے میں داخل ہو گئے۔ حمید ابھی تک چوکنا تھا کہ کہیں راجر پھر وار کرنے کی کوشش نہ کرے لیکن فریدی مطمئن تھا کیونکہ اسے علم تھا کہ اب راجر کوئی حرکت نہیں کرے گا۔ وہ اس سے مرعوب ہو چکا تھا۔

راجر نے انہیں کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود الماری میں سے برانڈی کی بوتل اور تین گلاس نکالے اور میز پر رکھ کر خود بھی ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

”برانڈی پیو۔“ ــــــ اس نے انتہائی دوستانہ لہجے میں کہا۔

”نہیں اس وقت موڈ نہیں ہے۔“ ــــــ فریدی نے بھی آواز میں

نرمی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

اور راجر نے کندھے اچکاتے ہوئے اپنے لیے گلاس بھرا اور غٹاغٹ چڑھا گیا۔ برانڈی سے اس کے حواس کچھ ٹھکانے آئے اور اس نے منہ پونچھتے ہوئے کہا۔

''اپنا تعارف تو کراؤ دوستو۔''

''وقت مت ضائع کرو۔ مارٹن کے متعلق بتاؤ۔''۔۔۔۔فریدی نے دوبارہ سخت لہجے میں کہا۔

''جیسی تمہاری مرضی۔ بہرحال میں نے تمہیں دوست کہہ دیا ہے۔'' راجر نے دوسری بار گلاس بھرتے ہوئے کہا۔

''مارٹن کہاں ہے۔''۔۔۔۔فریدی نے ایک بار پھر غراتے ہوئے کہا۔

راجر نے دوسرا گلاس چڑھایا اور پھر کہا۔

''مارٹن ایک ہفتے سے غائب ہے۔''

''کہاں گیا۔''

''میرے علم میں نہیں۔''۔۔۔۔راجر نے اطمینان سے کہا۔

''دیکھو راجر سیدھی طرح بتا دو ورنہ میرے ہاتھوں تمہاری موت بھی ہو سکتی ہے۔''۔۔۔۔فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ راجر نے گھبرا کر نظریں ہٹا لیں۔

''تمہیں مارٹن سے کیا کام ہے۔''۔۔۔۔اس نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''تمہیں اس سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے بتاؤ مارٹن کہاں ہے وہ کس کے لیے کام کر رہا ہے۔''

''اگر نہ بتاؤں تو۔''۔۔۔۔راجر نے قدرے مسکراتے ہوئے کہا۔

لیکن دوسرے لمحے وہ اچھل کر کرسی سے نیچے جا پڑا۔ فریدی کا زوردار مکا اس کی کنپٹی پر پڑا تھا۔ حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ راجر نے گرتے ہی ریوالور جیب سے نکال لیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ فائر کرتا فریدی نے جھٹکے سے میز الٹ دی۔ راجر میز کے نیچے دب گیا۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر دور کونے میں جا گرا اور پھر فریدی نے میز ایک طرف ہٹا کر اس کو ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ راجر نے سنبھلنے کی بے حد کوشش کی لیکن ہر بار فریدی کی لات اس زاویے سے اس کے چہرے پر پڑتی کہ وہ دوبارہ فرش سے جا لگتا۔ پھر اس کی چیخیں نکلنے لگیں اور وہ بار بار فرش پر سر پٹخنے لگا۔ فریدی نے گردن سے پکڑ کر اسے کرسی پر دے مارا اور پھر برانڈی کا گلاس بھر کے اس کے منہ سے لگا دیا۔ راجر ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر گیا۔

''بتاؤ۔ مارٹن کہاں ہے۔''۔۔۔۔فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔

''وہ کیپٹن حمید کے ساتھ الجھ کر مارا گیا ہے۔''۔۔۔۔راجر نے رک رک کر جواب دیا۔ اب اس کی آنکھوں میں بے بسی جھلک رہی تھی۔

''آج کل کس کے لیے کام کر رہا تھا۔''۔۔۔۔فریدی نے غراتے ہوئے کہا۔

”وہ مجھے مار ڈالے گا۔“۔۔۔۔۔راجر نے بے بسی سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

”کون۔“۔۔۔۔۔حمید نے پوچھا۔

”وہی مجرم جس کے لیے وہ کام کر رہا تھا۔ وہ بہت بڑا مجرم ہے۔“

”کیا نام ہے اس کا۔ جلدی بتاؤ۔“۔۔۔۔۔فریدی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

”ٹرنٹولا۔“۔۔۔۔۔راجر نے آہستہ سے کہا۔

”ہوں۔ تم سے ٹرنٹولا نے رابطہ کیسے قائم کیا۔“

”شیرو دادا کی معرفت۔ وہ اس کے لیے کام کر رہا ہے۔“

”مارٹن کے ذمہ کیا کام تھا۔“۔۔۔۔۔فریدی نے ایک اور سوال کیا۔

”ایک آدمی کا اغوا۔“

”کس کا۔“۔۔۔۔۔فریدی نے جلدی سے پوچھا۔

”کارپوریشن کے چیف نقشہ نویس صدیقی کا۔“۔۔۔۔۔راجر نے آہستہ سے کہا۔ اس کے تمام کس بل نکل چکے تھے۔

”چیف نقشہ نویس صدیقی۔“۔۔۔۔۔فریدی نے حیرت سے دہرایا۔

”جی ہاں۔“۔۔۔۔۔راجر نے کہا۔

”پھر۔“۔۔۔۔۔فریدی نے کہا۔

”مارٹن نے اسے اغوا کر کے شیرو دادا کے اڈے پر پہنچا دیا۔ اس کا کام ختم ہو گیا لیکن پھر وہ کیپٹن حمید سے نیول روڈ پر جھگڑ پڑا اور ٹرنٹولا

نے بھری سڑک پر کیپٹن حمید اور مارٹن دونوں کو شوٹ کر دیا۔“

”شیرو دادا نے تمہیں ٹرنٹولا کے ہیڈکوارٹر کے متعلق کچھ بتایا تھا۔“ فریدی نے اس سے سوال کیا۔

”ہاں ایک دفعہ نشہ میں دھت اس نے ایک مقام کے متعلق اشارہ تو کیا تھا۔“۔۔۔۔۔راجر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”کون سا۔“۔۔۔۔۔فریدی نے جلدی سے پوچھا۔

”تھر۔ آہ۔ آہ۔“

راجر کے منہ سے نکلا اور وہ کرسی سے الٹ گیا۔ اس کی پیشانی سے خون کا فوارہ چھوٹ پڑا۔ سائیلنسر لگے ریوالور سے اسے نشانہ بنایا گیا تھا۔ گولی یقیناً سامنے والے دروازے سے چلائی گئی تھی۔ حمید اور فریدی کی چونکہ دروازے کی طرف پشت تھی اس لیے وہ حملہ آور کو نہ دیکھ سکے۔ حمید پھرتی سے لپک کر دروازے سے نکلا اور ادھر فریدی نے ایک اور حرکت کی۔ اس نے جیب سے چھوٹا سا کیمرہ نکالا اور پھر راجر کی آنکھوں کے ساتھ کیمرہ لگا کر بٹن دبا دیا۔ فلش کا جھماکا ہوا۔ فریدی نے کیمرہ دوبارہ جیب میں ڈال لیا۔ راجر مر چکا تھا۔ فریدی پھرتی سے مڑا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔ باہر دروازے پر حمید کھڑا تھا۔

”نکل گیا۔“۔۔۔۔۔اس نے فریدی کو اپنی طرف آتے دیکھ کر کہا۔

”بے فکر رہو۔ میرے پاس محفوظ ہے۔“۔۔۔۔۔فریدی نے عجیب سے لہجے میں کہا اور حمید حیرت سے آنکھیں جھپکانے لگا۔ جیسے اسے فریدی کے دماغ میں خلل نظر آ گیا ہو۔

فریدی بھاگتا ہوا بار سے باہر نکلا اور پھرتی سے موٹر سائیکل پر بیٹھا۔ اس نے کک لگائی۔ موٹر سائیکل سٹارٹ ہو گئی۔ حمید بھی لپک کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور موٹر سائیکل تیزی سے ٹرن لے کر دوبارہ شہر کی طرف بھاگنے لگی۔

''یقیناً یہ حملہ آور کوئی چوہا تھا۔''۔۔۔۔۔۔ حمید نے سر کھجاتے ہوئے فریدی سے کہا۔

''ہوں۔''۔۔۔۔۔۔ فریدی نے ہنکارا بھرا اور حمید ایک بار پھر زور زور سے سر کھجانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ شہر میں داخل ہو چکے تھے۔

''کہاں چل رہے ہیں آپ۔''

''شیرو دادا کے اڈے پر ہے۔''۔۔۔۔۔۔ فریدی نے مختصر سا جواب دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ شہر کے وسط میں ایک چھوٹی سی عمارت کے سامنے موٹر سائیکل سے اتر رہے تھے۔ لیکن دوسرے لمحے عمارت کا دروازہ بڑی تیزی سے کھلا اور ایک غنڈہ ٹائپ نوجوان پریشان سا باہر نکلا۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھٹ رہی تھیں۔

''کیا بات ہے دوست۔''۔۔۔۔۔۔ فریدی نے اسے بازو سے پکڑتے ہوئے کہا۔

''شیرو دادا کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔''۔۔۔۔۔۔ اس نے اپنا بازو فریدی کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے کہا اور بازو چھڑوا کر وہ تیزی سے گلی میں بھاگتا چلا گیا۔ فریدی حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

پھر وہ دونوں عمارت میں داخل ہو گئے۔ اس عمارت میں شیرو دادا کا خفیہ اڈا تھا۔ جہاں ہر قسم کا برا کام دھڑلے سے کیا جاتا تھا۔ اندر واقعی افراتفری مچی ہوئی تھی۔ بڑے ہال کے ایک کونے میں شیرو دادا کا مردہ جسم پڑا تھا۔ گولی ٹھیک اس کے دل پر لگی تھی۔

''آؤ واپس چلیں۔''۔۔۔۔۔۔ فریدی نے حمید سے کہا اور وہ دونوں پھرتی سے واپس مڑ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ان کی موٹر سائیکل بلیک فورس کے ہیڈ کوارٹر کے پھاٹک میں داخل ہو رہی تھی۔

قاسم سر جھکائے اپنے ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ غم کے آثار تھے۔ آنکھوں میں ہلکی ہلکی نمی تھی اور اس کا منہ بار بار عجیب عجیب زاویے بنا رہا تھا۔ اس کی دھان پان بیوی سامنے والے صوفے پر بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر غم کے ساتھ ساتھ فکر کی بھی ہلکی سی آمیزش تھی۔ قاسم حمید کی موت کا سوگ منا رہا تھا۔ وہ فطری طور پر رحمدل تھا کیونکہ حمید کے دم کے ساتھ ہی اس کا دل بہل جاتا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ کبھی کبھی وہ حمید کی حرکتوں کی وجہ سے بری طرح چراغ پا ہو جاتا تھا۔ لیکن دل میں وہ حمید کی پرستش کرتا۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ حمید کے بغیر وہ پر کٹا پرندہ ہے۔ ادھر قاسم کی بیوی کو گو حمید کی موت کا غم تھا۔ لیکن دل ہی دل میں وہ خوش بھی تھی کہ اب قاسم لوفرپن سے باز آجائے گا۔ اسے اچھی طرح علم تھا کہ قاسم میں بذات خود اتنی ہمت نہیں کہ وہ کسی لڑکی سے ڈھنگ کی

گفتگو کر سکے۔ چھیڑنا یا فلرٹ کرنا تو دور کی بات ہے۔ یہ حمید ہی تھا جس کے بھروسے اور شہہ پر وہ ہر کام کر گزرتا تھا۔ قاسم نے سسکاری بھرتے ہوئے کہا۔

"آہ غمید بھائی تو کیوں میری گناہگار آنکھوں کے سامنے مر گیا۔"____اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

"تو اس کا مطلب ہے تمہاری آنکھیں گناہ گار ہیں۔"____قاسم کی بیوی نے چہکتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کیا۔ چاہے میری آنکھیں گناہ گار ہوں یا بے گناہ۔" اس نے آنسو بہتی ہوئی آنکھوں سے گھورتے ہوئے اپنی بیوی سے کہا۔ قاسم کی ذہنی رو اچانک پلٹ گئی۔

"کیوں کیا میں تمہاری بیوی نہیں ہوں۔"____قاسم کی بیوی نے قدرے ادا سے کہا۔

"بیوی ہی ہو کوئی منکر نکیر تو نہیں کہ حساب کتاب لے رہی ہو۔" قاسم بیوی کے نخرے سے اور بھی چڑ گیا۔ اسے اپنی بیوی سے سخت نفرت تھی اور ہوتی کیوں نہ۔ کیونکہ وہ بیوی تو نام ہی کی تھی۔

ویسے قاسم کے لیے اس کی حیثیت ایک دم چھلے سے زیادہ نہ تھی۔ بھلا کہاں ہاتھیوں کو شرمانے والا قاسم اور کہاں چھپکلی سے بھی کمزور بیوی۔ حالت یہ تھی کہ اگر قاسم زور سے پھونک بھی مار دے تو یقیناً اس کی بیوی ہوا میں اڑ جائے۔ اس لیے وہ کہاں بیوی کے ناز نخرے اٹھاتا۔ اسے تو کوئی ہتھنی جیسے جسم والی بیوی

چاہیے تھی۔

"میں کہتی ہوں اچھا ہوا حمید مر گیا۔ تمہاری آوارگی سے تو جان چھوٹ جائے گی۔" ـــــ قاسم کی بیوی نے غصہ میں آتے ہوئے کہا۔

"کیا کہا ٹانگیں نہیں چیر دوں گا۔ مرے ہوئے کو کہہ رہی ہو قبر میں کیڑے پڑیں گے۔" ـــــ قاسم نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

"تمہاری قبر میں کیڑے پڑیں گے جو مجھ نصیبوں جلی کو تنگ کرتے ہو۔" ـــــ قاسم کی بیوی رونے لگ گئی۔

بیوی کو روتا دیکھ کر قاسم کا چہرہ یک لخت نرم پڑ گیا۔ عورت کے آنسو واقعی ایک ایسا خوفناک اور طاقتور ہتھیار ہے جس کے آگے بڑے بڑے سنگدل نہ جم سکے۔ قاسم بے چارہ تو تھا ہی ذہنی رو کا مریض۔ وہ بھلا اس کا سامنا کہاں کر سکتا تھا۔ اس نے پچکارتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں میری قبر میں کیڑے پڑیں۔ حمید کی قبر میں کیڑے پڑیں۔ کیڑوں کے باپ پڑیں۔ کیڑوں کے دادا پڑیں بلکہ کیڑوں کے قاسم پڑیں۔" ـــــ اور کیڑوں کے قاسم والا فقرہ سن کر قاسم کی بیوی کی بے اختیار ہنسی نکل گئی اور قاسم بیوی کو ہنستے دیکھ کر یوں خوش ہو گیا جیسے اسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو لیکن اچانک اس کے ذہن میں حمید کے تڑپتے ہوئے جسم کا تصور آ گیا اور اس کا چہرہ پھر بگڑ گیا۔

"ارے تم ہنس رہی ہو۔ آہ میرا غمید بھائی۔ اللہ اسے دونوں

کروٹ جنت نصیب کرے۔ مر گیا ہے۔" ـــــ قاسم نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔ اور قاسم کی بیوی اس کے لحہ بہ لحہ بدلتے ہوئے ہن سے حیران رہ گئی۔

"اب پیچھا بھی چھوڑو۔ کتنے دن ہو گئے اس کا سوگ مناتے ہوئے۔ کیا ساری زندگی اسی کے سوگ میں گزارو گے۔" ـــــ قاسم کی بیوی نے اکتاتے ہوئے کہا۔

"جندگی۔ اب میری جندگی کہاں رہی۔ جندگی تو حمید کے ساتھ ئی۔" ـــــ قاسم نے اسی موڈ میں کہا۔

"میں تو سوچ رہا ہوں کہ خودکشی کر لوں اور جنت میں غمید بھائی کے ساتھ مجے لوٹوں۔" ـــــ قاسم نے آنکھیں بند کر کے تصور ہی مور میں مزے لوٹنے شروع کر دیئے۔

"تو کر لو خودکشی۔ دیر کس لیے کر رہے ہو۔" ـــــ قاسم کی بیوی نے منہ بنا کر کہا۔

"اچھا یہ بات ہے ابھی لو۔" ـــــ قاسم نے غصے سے اٹھتے ئے کہا۔

اور دوسرے لمحے وہ لڑھکتا ہوا اپنی خواب گاہ کی طرف جا رہا تھا۔ م کی بیوی بھی کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کے پیچھے چل پڑی۔ قاسم ی سے خوابگاہ میں داخل ہوا۔ اس کا چہرہ ابھی تک غصے سے سرخ ۔اس نے الماری کھولی اور پھر دراز سے ریوالور نکال لیا۔

"اوئی اللہ۔ تم تو سچ مچ خودکشی کر رہے ہو۔" ـــــ قاسم کی بیوی

نے اسے ریوالور نکالتے دیکھ کر گھبراہٹ آمیز لہجے میں کہا۔

''تو کیا میں مجاق کر رہا ہوں۔''_____قاسم فخر سے پھول گیا کیونکہ کسی عورت پر رعب ڈال کر وہ بے انتہا خوش ہوتا تھا۔ چاہے پوزیشن کچھ ہی کیوں نہ ہو۔

اس نے اسی جوش سے مغلوب ہو کر ریوالور کی نال اپنی کنپٹی کے ساتھ لگا لی۔ قاسم کی بیوی اب بری طرح گھبرا گئی۔ لیکن آخر وہ اس کی بیوی تھی۔ وہ اسے ہینڈل کرنا جانتی تھی۔ اس نے جھٹ ایک نفسیاتی وار کیا۔

''ایک گولی ویسے چلا کے تو دیکھو۔ خالی ریوالور سے مجھے ڈرا رہے ہو۔''

''یہ بات ہے تو لو۔''_____قاسم نے ایک جھٹکے سے ریوالور کا رخ چھت کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا۔ ایک زوردار دھماکا ہوا۔ گولی چھت سے ٹکراتی ہوئی کمرے کے کونے میں جا پڑی۔

''ارے باپ رے۔''

قاسم نے دھماکے سے گھبرا کر ریوالور ہاتھ سے چھوڑ دیا اور گھبراہٹ اور خوف کی وجہ سے وہ فرش پر گر پڑا۔ قاسم کی بیوی کا نفسیاتی حربہ کامیاب رہا۔ قاسم کو یہ احساس ہو گیا کہ یہ واقعی ریوالور ہے اس کا جوش سوڈے کے ابال کی طرح بیٹھ گیا۔ خوف سے اس کی آنکھیں پھٹی جا رہی تھیں۔

''اور کرو خودکشی۔''_____بیوی نے اسے چمکارتے ہوئے کہا۔

''کیوں کروں تم تو کہتی ہوگی جان چھوٹے موٹے سے اور میں مجے کروں۔''_____قاسم نے فرش سے بمشکل اٹھتے ہوئے کہا۔ اس کی ذہنی رو ایک دم پلٹ گئی تھی۔

''یہ کیا تماشہ ہو رہا ہے۔''_____اچانک دروازے سے ایک گرجدار آواز آئی۔

قاسم کا باپ سرعاصم دروازے میں کھڑا غصے سے قاسم کو گھور رہا تھا جو فرش سے اٹھنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ باپ کی آواز سنتے ہی قاسم یک بار پھر فرش پر گر پڑا۔

''چچا جان یہ خودکشی کر رہے تھے۔''_____قاسم کی بیوی نے سرعاصم کے پاس آ کر کہا۔

''خودکشی۔ وہ کیوں۔''_____سرعاصم حیرت سے قاسم کو گھورنے لگے۔

''حمید کے مرنے کے غم میں۔''_____قاسم کی بیوی نے وضاحت ی۔ اب وہ بڑے اطمینان سے بول رہی تھی کیونکہ اسے سرعاصم کی شہہ ل گئی تھی۔

''نہیں ابا جان۔ میں تو مجاق کر رہا تھا۔''_____قاسم نے جواب ش سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہا۔

''خبردار اگر آئندہ اس قسم کے مذاق کا تصور بھی کیا تم نے۔'' ،عاصم نے قاسم کو ڈانٹتے ہوئے کہا اور قاسم سر جھکائے کھڑا رہا۔ ،عاصم واپس مڑ گئے۔

ان کے پیچھے پیچھے قاسم کی بیوی بھی مسکراتی ہوئی چلی گئی اور قاسم
کمرے کے درمیان یوں سر جھکائے کھڑا تھا جیسے کسی جواری کی سب
پونجی لٹ چکی ہو۔

سینما اور سٹوڈیوز کی اس طرح بھیانک تباہی سے تمام ملک
میں سخت خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ عوام کا اعتماد حکومت سے اٹھ چکا
تھا۔ حکومت خود پریشان تھی۔ تمام بڑے بڑے آفیسروں، وزیروں اور
گورنروں کے چہرے لٹکے ہوئے تھے۔ ہر لمحے انہیں اپنے سر پر تلوار
لٹکتی نظر آ رہی تھی۔ ٹرنٹولا ان کے اعصاب پر سوار تھا۔ صدر مملکت کی
رات کی نیند اڑ گئی تھی۔ حکومت کے تمام تعمیراتی کام ٹھپ ہو کر رہ گئے
تھے۔ ادھر کرنل فریدی کا کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا۔ اب صدر مملکت سوچ
رہے تھے کہ کسی اور ملک سے جاسوسوں کی ٹیم منگوائی جائے جو اس
ٹرنٹولا کے خلاف تفتیش کرے لیکن اس میں ان کے ملک کی توہین تھی۔
آج بھی وہ اپنے آفس میں سخت پریشانی کے عالم میں بیٹھے کچھ سوچ
رہے تھے کہ اچانک ان کی میز پر رکھے ہوئے ٹیلی فون کی گھنٹی زور زور
سے بجنے لگی۔ یہ ٹیلی فون ڈائریکٹ تھا لیکن اس کے نمبر چند خاص

الخاص افراد کے سوا کسی اور کو معلوم نہیں تھے۔ اس لیے وہ اس فون پر کال آنے سے قدرے حیران رہ گئے۔ بہرحال انہوں نے ریسیور اٹھا کر کانوں سے لگا لیا۔

''ہیلو۔'' ــــــ انہوں نے آواز کو پروقار بناتے ہوئے کہا۔

''سر میں فریدی بول رہا ہوں۔'' ــــــ صدر مملکت کے کانوں میں فریدی کی آواز گونجی اور انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے کمرے میں بم پھٹ پڑا ہو۔ فریدی کی کال تھی ہی اتنی غیر متوقع کہ وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ بہرحال وہ سنبھل گئے اور اعصاب کو پرسکون بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''مسٹر فریدی آپ نے روپوش ہو کر ملک سے غداری کی ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ ملک ایک بھیانک خطرے سے دوچار ہے۔ آپ کا روپوش ہوجانا کیا معنی رکھتا ہے۔'' ــــــ ان کی آواز سے غصہ چھلک رہا تھا۔

''سر میں جان بوجھ کر روپوش ہو گیا تھا تاکہ انڈر گراؤنڈ رہ کر ٹرنٹولا کے خلاف کام کرسکوں۔ آپ مجھ پر غداری کا الزام مت لگائیں۔ میں اپنے خون کا آخری قطرہ بھی ملک کی سلامتی کے لیے نچھاور کرسکتا ہوں۔ میری پچھلی خدمات اس بات کی گواہ ہیں۔'' ــــــ فریدی کی آواز میں ہلکی سی ناراضگی نمایاں تھی۔ صدر مملکت یہ سن کر ٹھنڈے پڑ گئے۔

''فریدی مجھے افسوس ہے کہ میں پریشانی اور غصے میں تمہارے متعلق

ایسے الفاظ کہہ بیٹھا جن پر اب مجھے خود شرمندگی ہو رہی ہے۔ بہرحال میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ امید ہے میری اتنی معذرت کافی ہو گی۔'' ــــــ ان کے لہجے سے واقعی ندامت ظاہر ہو رہی تھی۔

''آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں سر۔ بہرحال میرا اس وقت آپ کو کال کرنے کا مقصد یہ تھا کہ میں بدستور ٹرنٹولا کے خلاف کام کر رہا ہوں۔ اب کچھ سراغ ملنے شروع ہو گئے ہیں۔ امید ہے میں جلد ہی اس مجرم کو گرفتار کر کے عوام کے سامنے پیش کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ میرے لیے خطرہ تھا کہ اس بار ٹرنٹولا کا نشانہ میں بنوں گا۔ اس لیے میں انڈر گراؤنڈ ہو گیا اور دوسری بات سامنے رہ کر میں جو کام کرتا وہ ٹرنٹولا کی نظروں میں ضرور آ جاتا۔ اس مجرم نے سارے ملک میں انتہائی وسیع وعریض جال پھیلایا ہوا ہے۔ بہرحال آپ میرے متعلق مطمئن رہیں لیکن میرے متعلق اور کسی سے بھی ذکر نہ کریں۔ اگر آپ کسی وقت مجھے کال کرنا چاہیں تو اس نمبر پر کر سکتے ہیں۔ اگر میں موجود نہ ہوا تو آپ کا پیغام بہرحال مجھے مل جائے گا۔'' ــــــ فریدی نے کہا اور ساتھ ہی ایک نمبر بتا دیا۔

''فریدی اس مجرم کا اصل مقصد کیا ہے۔'' ــــــ صدر نے پوچھا۔

''سر میں ابھی خود کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔ بہرحال اس کا مقصد جو بھی ہوگا جلد ہی سامنے آ جائے گا اور میں سمجھتا ہوں یہ مقصد یقیناً انتہائی بھیانک ہوگا۔ عوام کے مفادات کا تو اس نے صرف عوام کی ہمدردیاں جیتنے کے لیے ڈھونگ رچایا ہوا ہے۔'' ــــــ فریدی نے

کہا۔

"فریدی حمید کے متعلق مجھے بڑا افسوس ہے۔"———صدر نے حمید کی موت پر اظہار ہمدردی کرنا چاہا لیکن فریدی نے بات کاٹ دی۔

"قطع کلامی معاف سر۔حمید زندہ ہے۔اس میں شک نہیں کہ وہ موت کے چنگل میں بری طرح پھنس گیا تھا لیکن ابھی اس کی زندگی باقی تھی۔ بر وقت آپریشن اور علاج سے وہ بچ گیا ہے اور اب ٹھیک ٹھاک ہے۔"

"اوہو۔ تو یہ تم نے بڑی خوشخبری سنائی۔ مبارک ہو مجھے اس خبر سے بے حد خوشی ہوئی ہے۔"———صدر کی آواز سے واقعی خوشی کروٹیں لے رہی تھی کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ کیپٹن حمید اور کرنل فریدی یک جان دو قالب ہیں۔

"تھینک یو سر۔ اچھا اب مجھے اجازت دیجیے۔ خدا حافظ۔"فریدی نے کہا۔

"خدا حافظ۔"———صدر نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔ اب ان کے چہرے پر قدرے اطمینان کے آثار تھے۔

لیکن دوسرے دن وہ پھر گھبرا گئے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ ٹرنٹولا کی ایک اور دھمکی آج کے اخبارات میں چھپی ہے۔ اخبار کی جو کٹنگ اس سلسلے میں ان کے پاس پہنچی تھی اس میں درج تھا کہ

"ٹرنٹولا۔جو عوام کے مفادات کا نگہبان ہے اور عظیم

قوتوں کا حامل ہے حکومت کو ایک بار پھر خبردار کرتا ہے کہ وہ اپنے سول سروس کے تمام افسروں کو اور خصوصاً سیکرٹ سروس کے تمام اعلیٰ افسروں کو اچھی طرح سمجھا دے کہ اب وہ زیادہ عرصے تک عوام کی جیبوں پر ڈاکہ نہیں ڈال سکتے۔ وہ اپنے فرعونوں جیسے انداز کو بدل کر اپنے آپ کو عوام کا خادم سمجھیں ورنہ انہیں ایسی سزا دی جائے گی کہ موت بھی پناہ مانگے گی۔ آج کے بعد جس افسر نے بھی عوام میں سے کسی فرد کا حق مارا یا ناجائز کام کرنے کے لیے رشوت لی یا عوام کو تنگ کیا۔ اسے اسی لمحے گولی مار دی جائے گی۔ٹرنٹولا کی نگاہوں کے سامنے کوئی نہیں چھپ سکتا۔ ٹرنٹولا عظیم قوت ہے اور عوام کو بھی مطلع کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی افسران کو ناجائز تنگ کرے تو اس کے متعلق وہ اخباروں میں مراسلات لکھ دیں۔ ٹرنٹولا ان سے خود ہی نپٹ لے گا۔ ٹرنٹولا سے ٹکرانا اپنی موت کو دعوت دینا ہے۔"

عوام کے مفادات کا نگران

ٹرنٹولا

ٹرنٹولا کے اس اعلان کو پڑھ کر صدر مملکت خود بھی حیران رہ گئے کہ آخر اس ٹرنٹولا کا اصل مقصد کیا ہے؟ کیا واقعی یہ عوام کا خیرخواہ ہے۔ بظاہر یہ اعلان صرف عوام کی بھلائی پر منحصر نظر آتا ہے لیکن ان کا دل

ہہ رہا تھا کہ اس چال کے پیچھے کچھ اور چیز ہے۔ اس لیے وہ سوچتے
ہے سوچتے رہے۔ آخر انہوں نے ایک فیصلہ کیا اور اپنے سیکرٹری کو
لب کر کے اسے تمام آفیسران کے نام ایک سرکل جاری کرنے کا حکم
یا کہ تمام آفیسران اپنے اپنے فرائض منصبی دیانت داری سے سرانجام
یں اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے اخبارات کے لیے ایک بیان دیا
شام کے تمام اخباروں میں شائع ہو گیا اور ریڈیو سے بھی اسے بار
رنشر کیا گیا۔

''میں صدر مملکت ٹرنٹولا کو مطلع کرتا ہوں کہ اگر وہ واقعی
عوام کا سچا خیرخواہ ہے تو وہ عوام اور حکومت پر اپنے آپ
کو ظاہر کر دے اور قانون کو ہاتھ میں لینے کی بجائے عوام
پر کی گئی زیادتیوں کی شکایات مجھے ارسال کرے۔ میں ان
کا فوری تدارک کرنے کو تیار ہوں یا وہ ان کے لیے
عدالتوں کی طرف رجوع کرے۔ اس نے جو طریقہ اپنایا
ہوا ہے اس سے عوام کی بھلائی تو ایک طرف رہی عوام کا
بے پناہ نقصان ہو رہا ہے اور ملک کی سالمیت اور سلامتی کو
خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے اس قسم کے حالات عوام
کے مفادات کے حق میں نہیں جاتے۔ اگر اس نے اپنے
آپ کو ظاہر نہ کیا تو عوام یہ سمجھنے میں یقیناً حق بجانب
ہوں گے کہ ٹرنٹولا کا اصل مقصد عوام کی بھلائی نہیں بلکہ
ملک کی سالمیت اور سلامتی کو نقصان پہنچانا ہے جو میرے

ملک کے حب الوطنی سے بھرپور عوام کبھی بھی برداشت
نہیں کریں گے اور پھر ٹرنٹولا کا عوام کی بھلائی کا ڈھونگ
انہیں متاثر نہیں کر سکے گا۔''

صدر مملکت کے اس بر وقت اور مدبرانہ اعلان کا واقعی عوام پر بڑا
اثر پڑا اور کثیر تعداد میں عوام صدر مملکت کے ہم خیال ہو گئے۔ اگر
ٹرنٹولا واقعی عوام کا خیرخواہ ہے تو اسے چاہیے کہ چھپ کر وار کرنے کی
بجائے وہ سامنے آئے اور برملا عوام کے حق میں کام کرے۔ ملک کی
تمام سیاسی پارٹیوں نے صدر مملکت کے اس بیان کو سراہا۔ سب کو توقع
تھی کہ آج کے اخبار میں صدر مملکت کے اس اعلان کے جواب میں
ضرور کوئی نہ کوئی پیغام آئے گا۔ اس لیے عوام کو کل کے اخبار کا شدت
سے انتظار تھا۔ انتظار اتنا بڑھا کہ لوگ کثیر تعداد میں رات ہی سے
اخبارات کے دفتروں، نیوز ایجنسیوں اور بک سٹالوں پر جمع ہو گئے۔
اخبارات کے مالک دعائیں مانگ رہے تھے کہ خدا کرے ٹرنٹولا کا کوئی
خط مل جائے کیونکہ انہیں علم تھا کہ ٹرنٹولا کا خط مل گیا تو کل کے
اخباروں کی سیل ملک میں ریکارڈ قائم کر دے گی۔ ان کی دعائیں قبول
ہو گئیں اور سب اخبارات کے دفتروں میں ٹرنٹولا کے خطوط پہنچ گئے۔
انہوں نے روزانہ اشاعت سے دس گنا زیادہ تعداد میں اخبار شائع کئے
اور سارے اخبار ہاتھوں ہاتھ بک گئے۔ ٹرنٹولا کا خط پہلے صفحے پر نمایاں
تھا۔

''ٹرنٹولا نے صدر مملکت کا بیان پڑھا اور ریڈیو پر سنا۔ شکر

ہے کہ حکومت کو عوام کی بھلائی کا صحیح معنوں میں خیال تو آیا۔ بہرحال ٹرنٹولا کا جواب حاضر ہے۔

میں جو کچھ کر رہا ہوں صرف عوام کی بھلائی کے لیے کر رہا ہوں اور عوام گواہ ہیں اب تک میں نے جو اقدامات کئے ہیں وہ عوام کی بھلائی کی خاطر کئے ہیں لیکن اس کے لیے میرا اپنا طریقہ کار ہے اور میں اسے بہتر سمجھتا ہوں کیونکہ مجھے یقین ہے جب تک میں پس پردہ رہ کر کام کروں گا حکومت مجھ سے خائف رہے گی اور عوام کی بھلائی کے لیے کچھ نہ کچھ کرتی رہے گی اور اگر میں ظاہر ہو گیا تو حکومت کسی نہ کسی بہانے مجھے گرفتار کرنے یا ختم کرنے کی کوشش کرے گی۔ ویسے ٹرنٹولا اتنی عظیم قوت کا حامل ہے کہ اگر وہ سامنے آ بھی جائے تو حکومت اپنی پوری قوت کے باوجود اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ابھی میرے ظاہر ہونے کا وقت نہیں آیا۔ ہاں میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب میں نے مناسب سمجھا میں اپنے آپ کو عوام کے سامنے پیش کر دوں گا۔ صدر مملکت کا یہ بیان دراصل عوام کو مجھ سے بہکانے کی ایک چال ہے۔ مجھے امید ہے عوام اس چال کو ناکام بنا دیں گے۔ بہرحال ٹرنٹولا ایک بار پھر حکومت کو خبردار کرتا ہے کہ وہ میرے کل کے بیان کے متعلق سنجیدگی سے غور کرے ورنہ

دوسری صورت میں تمام نقصان کی ذمہ داری حکومت پر ہو گی۔"

عوام کے مفادات کا نگران

ٹرنٹولا

اس خط کے چھپتے ہی عوام پھر دو حصوں میں بٹ گئے۔ کچھ حلقے حکومت کے ساتھ تھے کچھ ٹرنٹولا کے حق میں۔ پھر اسی دن ملک میں انوکھے انداز کا کام شروع ہو گیا۔ بہت سے اعلیٰ آفیسروں کو ان کے دفتروں میں ہی گولی مار دی گئی۔ کسی جگہ بھی گولی مارنے والا پکڑا نہیں گیا اور نہ ہی قاتلوں کا سراغ لگایا جا سکا۔ بس اچانک ہی سب کچھ ہو جاتا رہا۔ دروازے بند کرنے کے باوجود بھی کہیں سے اچانک گولی آتی اور وہ افسر اپنی کرسی پر ڈھیر ہو جاتا۔ کسی کو کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا ہے۔ سارا ملک آہ و فغاں کی زد میں آ گیا۔ ہر کالونی سے ایک نہ ایک جنازہ نکل رہا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے ملک میں کوئی خطرناک اور جان لیوا وبا پھیل گئی ہے۔ شام کے اخبارات میں ان وارداتوں کی ٹرنٹولا کی طرف سے تفصیل چھپ گئی۔ تمام آفیسروں پر الزامات تھے کہ انہوں نے عوام کی شکایات پر کان نہیں دھرے اور ان کے کام نہیں کئے وغیرہ وغیرہ۔ حکومت مفلوج ہو کر رہ گئی۔ بہت سے آفیسران نے ٹرنٹولا کے خوف سے استعفٰی دے دیئے۔ گو حکومت نے ان کے استعفٰے فی الحال منظور نہیں کئے لیکن آفیسروں نے دفتر آنا چھوڑ دیا۔ حکومت کا تمام نظام معطل ہو کر رہ گیا۔

کرنل فریدی جب ڈارک روم سے باہر نکلا تو حمید ایک کرسی پر بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ فریدی کے چہرے پر فاتحانہ چمک تھی اور آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک۔ وہ سیدھا حمید کے پاس آ گیا۔ پھر اس نے حمید کے ہاتھوں میں ایک پوسٹ کارڈ سائز کا فوٹو پکڑا دیا۔ حمید نے چونک کر فوٹو دیکھا اور حیرت سے ششدر رہ گیا۔ پورے فوٹو پر ایک بڑی سی آنکھ موجود تھی اور اس آنکھ کی پتلی پر دبلے پتلے نوجوان کی تصویر تھی۔ جس نے ہاتھوں میں ریوالور پکڑا ہوا تھا۔

"یہ کس کی تصویر ہے۔" ——— حمید نے حیرت سے پوچھا۔

"اسی مجرم کی جس نے اسے قتل کیا ہے۔" ——— فریدی نے اطمینان سے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"لیکن آپ نے یہ تصویر کیسے کھینچ لی جبکہ مجھے کچھ بھی نظر نہیں آیا تھا اور آپ تو کمرے کے اندر تھے۔" ——— حمید واقعی حیران تھا۔

"ایک عام سی تھیوری ہے کہ مرتے ہوئے آدمی کی آنکھیں آخری لمحے جو کچھ دیکھتی ہیں وہ نظارہ کافی دیر تک اس کی آنکھوں کی پتلیوں پر قائم رہتا ہے۔ تم جیسے ہی باہر نکلے میں نے جیب سے کیمرہ نکال کر مرتے ہوئے راجر کی آنکھ کا فوٹو کھینچ لیا۔ اسی لئے میں نے تمہیں کہا تھا کہ مجرم میرے پاس محفوظ ہے۔" ——— کرنل فریدی نے وضاحت کی۔

"کمال ہے ایک نیا ہی آئیڈیا نکالا ہے آپ نے۔" ——— حمید نے تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"اس کو چھوڑو۔ تم یہ دیکھو کہ آیا تم اس مجرم کو پہچانتے ہو یا نہیں۔" فریدی نے بات ٹالتے ہوئے کہا اور حمید نے بغور مجرم کی شکل کو دیکھنا شروع کر دی۔ کچھ دیر تک وہ سوچتا رہا۔ پھر بولا۔

"کچھ کچھ یاد تو پڑتا ہے کہ اسے کہیں دیکھا ہے لیکن پوری طرح ذہن میں نہیں آ رہا۔"

"ذہن میں آئے بھی کس طرح جبکہ تمہارے دماغ میں ہر وقت فضولیات ہی بھری رہتی ہیں۔ اگر یہ کسی عورت کا فوٹو ہوتا تو اب تک تم نے اس کی سات پشتوں کا حال بتلا دیا ہوتا۔" ——— فریدی نے منہ بگاڑتے ہوئے کہا۔

"یہ تو ٹھیک ہے۔ آخر یاد رکھنے کی کوئی چیز بھی ہو تو یاد رکھا جائے۔" ——— حمید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب میں بتاتا ہوں۔ یہ ہوٹل تھری سٹار کے بار روم کا کاؤنٹر مین

اور معروف غنڈہ ساگا ہے۔'' ـــــ فریدی نے کہا۔

''اوہ یاد آیا۔ واقعی یہ وہی ہے ۔ میں بھی کہوں صورت کچھ جانی پہچانی سی تو لگتی ہے۔'' ـــــ حمید نے جھینپ مٹانے کے لیے کہا۔

فریدی نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ ٹیلی فون کا رسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔ رابطہ ملتے ہی دوسری طرف سے آواز آئی۔

''یس سکس ون سپیکنگ ۔''

''ہارڈ سٹون ۔'' ـــــ فریدی نے گھمبیر آواز میں کہا۔

''یس سر۔'' ـــــ سکس ون کی مؤدبانہ آواز گونجی۔

''ہوٹل تھری سٹار کے عملے میں اپنا کوئی آدمی موجود ہے۔''

''یس سر نمبر تھرٹین تھرٹین الیون، فورٹین وہاں بیروں کی صورت میں کام کر رہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ انہیں پیغام پہنچا دو کہ بار روم کے کاؤنٹر مین ساگا کی نگرانی کریں۔ مجھے اس کی رپورٹ چاہیے۔''

''اوکے سر۔ ابھی پیغام پہنچا دیتا ہوں۔''

''دو گھنٹے بعد مجھے فون پر رپورٹ دینا۔'' ـــــ فریدی نے رسیور رکھتے ہوئے کہا۔

''حمید تم اسی میک اپ میں تھوڑی سی تبدیلی کر کے شیرو دادا کے اڈے پر جاؤ۔ وہاں سے تمہیں یہ معلوم کرنا ہے کہ ٹرنٹولا شیرو دادا سے کس ذریعے سے رابطہ رکھتا ہے۔''

''کیا آپ یہ فرض اپنی بلیک فورس کے کسی آدمی کے ذمہ نہیں لگا سکتے۔'' ـــــ حمید نے جان چھڑاتے ہوئے کہا۔

''جلدی جاؤ حمید وقت بہت کم ہے ملک پر چھائے ہوئے بھیانک خطرناک میں ہر لمحہ اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور ابھی تک ہم مجرم کے خلاف کوئی لائن آف ایکشن بھی نہیں بنا سکے۔'' ـــــ فریدی انتہائی سنجیدگی سے بولا۔

اور حمید حالات کی نزاکت کا اندازہ لگا کر خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا اور پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا میک اپ روم میں چلا گیا۔

حمید کے جانے کے بعد فریدی ساتھ والے کمرے میں گیا اور آدھے گھنٹے بعد جب وہ باہر نکلا تو وہ ایک ادھیڑ عمر کے لیکن نفیس طبیعت کے غیر ملکی کے میک اپ میں تھا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا مختلف کمروں سے ہوتا ہوا ہیڈکوارٹر جسے عرف عام میں زیرو ہاؤس کے نام سے پکارا جاتا تھا کے لان میں پہنچ گیا اور پھر اس نے گیراج سے ایک نئے ماڈل کی کار نکالی اور پھر تیز رفتاری سے کار چلاتا ہوا کوٹھی سے باہر نکل گیا۔

اس کی کار کا رخ تھری سٹار ہوٹل کی طرف تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی کار ہوٹل کے پارکنگ شیڈ میں رک گئی۔ فریدی کار لاک کر کے مین گیٹ کی طرف بڑھا لیکن پھر ایک قوی ہیکل بڑی بڑی مونچھوں والے غیر ملکی کو مین گیٹ سے نکل کر پارکنگ شیڈ کی طرف جاتا دیکھ کر چونک اٹھا۔ فریدی نے صاف محسوس کر لیا کہ یہ غیر ملکی میک اپ میں ہے۔

میک اپ کرنے کے فن میں فریدی کو مکمل مہارت حاصل تھی۔ جہاں وہ خود بہترین سے بہترین اور مکمل میک اپ کرنے کے فن میں ماہر تھا وہاں اس کی نظریں ایک لمحہ میں اچھے سے اچھے میک اپ کو محسوس کر لیتی تھیں۔ وہ غیر ملکی فریدی کے پاس سے گزرتا ہوا پارکنگ شیڈ کی طرف بڑھ گیا۔ فریدی بھی رکا نہیں بلکہ اسی رفتار سے مین گیٹ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ مین گیٹ میں داخل ہونے سے پہلے اس نے ایک لمحے کے لیے مڑ کر دیکھا۔ پارکنگ شیڈ سے ایک سیاہ رنگ کی مرسڈیز باہر نکل رہی تھی اور اسے وہی غیر ملکی چلا رہا تھا۔ فریدی مین گیٹ میں داخل ہو گیا۔ ایک لمحے تک اس نے ہال پر طائرانہ نظر ڈالی اور پھر وہیں سے مڑ گیا۔ دربان اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا لیکن وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اپنی کار کی طرف بڑھتا چلا گیا اور پھر دوسرے لمحے اس کی کار تیزی سے ہوٹل کے کمپاؤنڈ سے باہر نکل گئی۔ اس نے مرسڈیز کو بائیں طرف مڑتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے اپنی کار کا رخ بھی ادھر ہی کو کر لیا۔ رفتار معمول سے کافی تیز تھی۔ اس لیے تھوڑی ہی دیر بعد وہ مرسڈیز کے قریب پہنچ گیا لیکن اب اس نے رفتار کم کر دی۔ مرسڈیز اور اس کی کار کے درمیان دو اور کاریں بھی تھیں۔ مرسڈیز مختلف سڑکوں سے ہوتی ہوئی اب شہر سے باہر جا رہی تھی۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ ہو سکتا ہے یہ بھاگ دوڑ بے سود ثابت ہو لیکن اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ مرسڈیز کا ڈرائیور ٹرنٹولا کے سلسلے میں ضرور کام کا آدمی ثابت ہوگا۔ اب تعاقب خاصا دشوار ثابت ہو رہا تھا کیونکہ اس

سڑک پر ٹریفک تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس لیے مرسڈیز والا اس تعاقب سے باخبر بھی ہو سکتا تھا۔ فریدی نے کچھ سوچ کر ڈیش بورڈ کا خانہ کھولا اور پھر اندر لگے ہوئے مختلف بٹنوں میں سے ایک دبا دیا۔ بٹن دبتے ہی کار میں ایک ہلکی سی آواز ابھری۔

"سکس ون سکس۔"

"ہارڈ اسٹون۔" ــــــ فریدی نے سرد آواز میں کہا۔

"یس سر۔"

"سکس ون۔ میں اس وقت ہائی نمبر تیرہ پر ایک سیاہ رنگ کی مرسڈیز کا تعاقب کر رہا ہوں۔ یادگار چوک پر پٹرولنگ کار نمبر 25 کو الرٹ کر دو کہ وہ مرسڈیز کا تعاقب کرے اور پھر مجھے اس کی مکمل رپورٹ دے۔"

"او کے سر۔" ــــــ سکس ون نے جواب دیا اور فریدی نے بٹن آف کر دیا۔

اس نے دیکھا کہ مرسڈیز کی رفتار اب تیز ہو گئی تھی۔ فریدی سمجھ گیا کہ مرسڈیز والا اس سے مشکوک ہو گیا ہے لیکن وہ بدستور اس کے پیچھے چلتا رہا۔ تقریباً دس منٹ بعد مرسڈیز چوک یادگار کراس کر گئی اور پھر یہ دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی کہ ایک سرخ رنگ کی سپورٹس کار چوک کی بائیں طرف سے نکلی اور مرسڈیز کے پیچھے چلی گئی۔ فریدی نے کار یادگار چوک سے بائیں طرف موڑ لی۔ پھر اس کی کار مختلف سڑکوں پر ہوتی ہوئی دوبارہ تھری سٹار ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں مڑ گئی۔

فریدی نے کار پارکنگ شیڈ میں روکی اور خود ہوٹل کے اندر چلا گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی اسے ایک اور جھٹکا لگا۔ کیونکہ ہال میں افراتفری مچی ہوئی تھی اور ساگا کی لاش فرش پر پڑی تھی۔ کسی نے اسے گولی مار دی تھی۔

حمید نے ٹیکسی سڑک پر ہی چھوڑ دی تھی۔ پھر وہ پیدل چلتا ہوا شیرو دادا کے اڈے پر پہنچا۔ بظاہر یہ اڈا ایک گندہ سا چائے خانہ تھا لیکن حمید جانتا تھا کہ اس چائے خانے کے پردے میں کیا کیا ہوتا ہے۔ کیپٹن حمید کو شیرو دادا اور اس کے ساتھی اچھی طرح جانتے تھے۔ لیکن اس وقت حمید ایک خطرناک غنڈے کے میک اپ میں تھا اور ویسے بھی سب کو علم تھا کہ ٹرنٹولا نے حمید کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ حمید جس وقت اس چائے خانے میں داخل ہوا تو وہاں اداسی چھائی ہوئی تھی۔ بہت کم تعداد میں غنڈے وہاں موجود تھے۔ کاؤنٹر پر شیرو دادا کا خاص ساتھی ہیبت خاں موجود تھا۔ ہیبت خان اپنے نام کی مناسبت سے سر سے لے کر پاؤں تک ہیبت خاں ہی تھا۔ طویل قامت، چوڑا سینہ، لحیم شحیم، اس کے چہرے پر مختلف زخموں کے بے شمار نشانات، بڑی بڑی مونچھیں اور آنکھوں پر ہر وقت سرخی چھائی رہتی

تھی۔ کیونکہ وہ پینے کا بے حد شوقین تھا۔ کیم شحیم ہونے کی وجہ سے عام آدمی یہ خیال کرتا تھا کہ ہیبت خاں کاہل اور سست ہوگا لیکن حمید جانتا تھا کہ ہیبت خان کے اندر چیتے کی سی پھرتی ہے۔ چائے خانہ پر اداسی شیرو دادا کی موت کی وجہ سے تھی۔ حمید بھی خراماں خراماں چلتا ہوا ایک میز پر جا بیٹھا۔ چائے خانے میں بیٹھے ہوئے تقریباً تمام غنڈوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اسے پہچاننے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہیبت خاں نے بھی حمید کو غور سے دیکھا اور پھر اس کے ماتھے پر ایک ہلکی سی شکن نظر آئی اور دوسرے لمحے وہ سر جھٹک کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ حمید کے میز پر بیٹھتے ہی ایک غنڈہ ٹائپ بیرہ اس کی طرف بڑھا۔

"گولی مار چائے ایک کپ بمعہ مسکہ۔"۔۔۔۔ حمید نے خالص غنڈہ سٹائل میں بیرے سے کہا اور بیرہ سر ہلا کر واپس چلا گیا۔

حمید نے جیب سے سستے سگریٹوں کا ایک پیکٹ نکالا اور پھر ایک سگریٹ سلگا کر زور زور سے کش لینے لگا۔ تیز و تلخ دھواں اس کے حلق میں گیا تو حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس نے مرچیں چبا لی ہوں لیکن اس نے اس کا احساس چہرے سے نہ ہونے دیا۔ اتنے میں بیرے نے ایک گندی سی پیالی میں ایک سڑی ہوئی چائے لا کر اس کے سامنے رکھ دی۔

"سنو۔"۔۔۔۔ حمید نے بیرے سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"شیرو دادا سے ملنا ہے۔"

بیرہ حمید کی بات سن کر یوں اچھلا جیسے اسے بجلی کا کرنٹ لگ گیا ہو۔

"کیا کہا شیرو دادا سے۔"۔۔۔۔ بیرہ نے آواز پر زور دیتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں حیرت چھپی ہوئی تھی۔

"ہاں ہاں شیرو دادا ہی میں نے کہا۔ کسی جن بھوت کا نام نہیں تو جو تم یوں اچھل پڑے ہو۔"۔۔۔۔ حمید نے بھی اسی لہجے میں کہا۔

"تم شاید نئے آئے ہو۔ تمہیں علم نہیں کہ کل شیرو دادا قتل کر دیئے گئے تھے۔"۔۔۔۔ بیرے نے ایک ایک لفظ علیحدہ علیحدہ بولتے ہوئے کہا۔

"کیا کہا۔ شیرو دادا قتل کر دیئے گئے۔ نہیں تم جھوٹ بولتے ہو۔ شیرو دادا کو قتل کرنے کی کون جرأت کر سکتا ہے۔"

حمید کرسی سے اچھل پڑا۔ جیسے اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ کوئی شیرو دادا کو قتل بھی کر سکتا ہے۔

ہیبت خاں جو کاؤنٹر پر کھڑا بغور بیرے اور حمید کی گفتگو سن رہا تھا اب ان کے پاس آ گیا۔ بیرہ اسے قریب آتے دیکھ کر پیچھے ہٹ گیا۔

حمید حیران و پریشان صورت بنائے کھڑا تھا۔ ہیبت خاں نے حمید کے کاندھے پر آہستہ سے ہاتھ رکھ دیا۔

"دوست۔ تم کون ہو۔"۔۔۔۔ ہیبت خاں نے نرم لہجے میں کہا۔

"شیرو دادا میرے محسن تھے۔ میں راجندر نگر سے آیا ہوں۔" حمید نے نرم لہجے میں کہا۔

''ادھر میرے ساتھ آ جاؤ۔''۔۔۔۔ ہیبت خاں نے اس سے کہا اور پھر بیرے سے کہا کہ دو سپیشل چائے کمرے میں لے آؤ۔

حمید ہیبت خاں کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا کاؤنٹر کے ساتھ بنے ہوئے ایک چھوٹے سے سجے ہوئے کمرے میں آ گیا۔

''بیٹھو۔''۔۔۔۔ ہیبت خاں نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور حمید اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اتنے میں بیرہ دو پیالی چائے ان کے درمیان میز پر رکھ گیا۔

''کیا نام ہے تمہارا۔''۔۔۔۔ ہیبت خاں نے چائے کی پیالی اپنی طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔

''مجھے ٹائیگر کہتے ہیں۔''

''لیکن میں نے پہلے کبھی تمہارا نام نہیں سنا۔''۔۔۔۔ ہیبت خاں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''ایک قتل کے سلسلے میں دس سال جیل میں رہا ہوں۔ اب پچھلے مہینے ہی رہا ہوا ہوں۔''۔۔۔۔ حمید نے وضاحت کی۔

''ہوں۔ مجھے جانتے ہو۔''۔۔۔۔ ہیبت خاں نے حمید کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرے خیال میں تمہارا نام ہیبت خاں ہے۔ میں نے تمہارا نام راجندر نگر میں اکثر سنا ہے۔''

اسی لمحے ہیبت خاں کے لبوں پر زہریلی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے پھرتی سے جیب سے ریوالور نکال کر حمید کے سامنے تان لیا۔

''میرے دوست تم ہیبت خاں کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔''

''کیا مطلب۔ کیسا دھوکہ میں سمجھا نہیں۔''۔۔۔۔ حمید نے حیرت سے کہا۔ وہ واقعی ہیبت خاں کی اس اچانک حرکت پر حیران رہ گیا تھا۔

''کیا تم ٹرنٹولا کے آدمی نہیں ہو۔''۔۔۔۔ ہیبت خاں نے ریوالور کی نال کا رخ حمید کے ماتھے کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

''ٹرنٹولا۔ بھلا میں ٹرنٹولا کا آدمی کیوں ہونے لگا اور پھر ٹرنٹولا کا تم سے کیا تعلق۔''۔۔۔۔ حمید نے اب اطمینان سے کہا۔

''ٹرنٹولا شیرو دادا کو قتل کروا کر اب اس کا ردعمل دیکھنا چاہتا ہے لیکن میرا نام ہیبت خاں ہے ہیبت خاں۔ میں شیرو دادا کا انتقام ٹرنٹولا سے ایسا بھیانک لوں گا کہ آج تک کسی کے تصور میں بھی نہیں آیا ہو گا۔''۔۔۔۔ ہیبت خاں کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

''میرے دوست تم یہ اپنا ریوالور جیب میں رکھ لو۔ شیرو دادا میرا بھی محسن تھا۔ میں اس کا انتقام لینے کے لیے تمہارا پورا ساتھ دوں گا۔'' حمید نے نرمی سے کہا۔ اس کے چہرے پر مکمل اطمینان تھا۔

ہیبت خاں حمید کا اطمینان دیکھ کر الجھ گیا۔ چند لمحے تک وہ کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے ایک طویل سانس لے کر ریوالور جیب میں رکھ لیا۔

''اچھا دوست۔ اگر تم کہتے ہو تو میں یقین کر لیتا ہوں۔ دراصل شیرو دادا کے قتل نے میرے دماغ اور اعصاب پر بہت برا اثر ڈالا ہے۔''۔۔۔۔ ہیبت خاں نے اپنے رویے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے ایسا ہونا بھی چاہیے۔ مجھے دیکھو جب شیرو دادا کے

متعلق سنا ہے میرا دماغ ٹھکانے پر نہیں رہا۔''

''ہاں۔ یہ بتاؤ ٹرنٹولا کا کیا قصہ ہے۔''

حمید نے نفسیاتی حملہ کیا تھا۔ اگر وہ براہ راست ٹرنٹولا کے متعلق پوچھ لیتا تو یقیناً ہیبت خاں مشکوک ہو جاتا۔ اس نے شیرو دادا کی ہمدردی پر الفاظ کے خاتمہ کے طور پر ٹرنٹولا کی بات بھی چھیڑ دی اور یہ حملہ خاصا کارگر رہا۔

''ایک مہینہ ہوا شیرو دادا سے ایک غیر ملکی شخصیت یہاں آ کر ملی۔ اس نے شیرو دادا کو ایک چھوٹے سے کام کر لیے دس لاکھ روپے کی پیش کش کی۔ شیرو دادا اس سونے کی مرغی کو بھلا کیسے ہاتھ سے جانے دیتا۔ اس نے فوراً وہ کام کر دیا۔ ایک آدمی کی نگرانی کرنی تھی۔ پھر وہ آدمی فون پر چھوٹے موٹے کاموں کے لیے کہتا اور بڑی بڑی رقوم دے دیتا۔ پھر کارپوریشن کے نقشہ نویس کو اغوا کرنے کا حکم ملا۔ شیرو دادا نے راجر کے پروردہ کی مدد سے یہ کام کرایا۔ پھر راجر کیپٹن حمید سے الجھ پڑا اور ٹرنٹولا نے دونوں کو میدان میں شوٹ کر دیا۔ دو دن ہوئے کہ بار روم میں دو غنڈے آئے اور انہوں نے راجر کو پیٹ کر ٹرنٹولا کے متعلق پوچھنا چاہا۔ اس گفتگو میں شیرو دادا کا ذکر بھی آ گیا۔ ٹرنٹولا نے اسے شوٹ کروا دیا اور پھر اس واقعہ کے تھوڑی دیر بعد وہ غیر ملکی یہاں آیا اور اس سے پہلے کہ کوئی کچھ سمجھتا وہ شیرو دادا کو گولی مار کر نکل گیا۔''------ ہیبت خاں نے پوری تفصیل بیان کر دی۔

''اس غیر ملکی کا حلیہ بیان کر سکتے ہو یا وہ ٹیلی فون نمبر جس پر شیرو

دادا ٹرنٹولا سے رابطہ قائم کرتا تھا۔''------ حمید نے بے چینی سے پوچھا۔

''ہاں۔ اتفاق سے مجھے ایک روز اس نمبر کا علم ہو گیا تھا۔ میں شیرو دادا کے پیچھے کھڑا تھا اور انہوں نے وہ نمبر گھمایا تھا۔''

''تو پھر وہ نمبر بتاؤ۔''------ حمید نے کہا۔ اس کے لہجے میں اب بے چینی صاف ظاہر تھی۔

لیکن دوسرے لمحے وہ کرسی سے اچھل کر نیچے آ گرا کیونکہ ہیبت خاں کا ایک زوردار تھپڑ اس کے چہرے پر پڑا تھا۔ اب ہیبت خاں کے ہاتھ میں ریوالور نظر آ رہا تھا۔

''اونہہ۔ نمبر پوچھنے آئے تھے۔''------ ہیبت خاں کا زوردار قہقہہ گونجا۔

لیکن حمید کے ذہن پر چھپکلی سوار ہو گئی۔ گو اس آپریشن کی وجہ سے اس میں قدرے نقاہت کے آثار تھے لیکن اب غصہ کی وجہ سے اس کی یہ کمزوری بھی وقتی طور پر دور ہو گئی۔ حمید نے ریوالور کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہیبت خاں کی طرف چھلانگ لگا دی۔ ہیبت خاں نے ٹریگر دبا دیا۔ کھٹک کی آواز آئی گولی چلی لیکن حمید کی پھرتی قابل داد تھی۔ اس نے ہیبت خاں کو ڈاج دیا تھا۔ وہ فضا ہی میں قلابازی کھا گیا۔ گولی اس کے ایک طرف سے ہوتی ہوئی گزر گئی اور پھر حمید کی لات ہیبت خاں کے ہاتھ پر پڑی۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔ ریوالور پر چونکہ سائیلنسر فٹ تھا اس لیے چائے خانے والوں کو معلوم

ہی نہ ہو سکا کہ اندر کمرے میں کیا ہو رہا ہے۔ حمید ہیبت خاں کے ہاتھ پر لات مارتا ہوا ادھر کونے میں جا گرا تھا۔ ہیبت خاں نے اس فاصلے سے فائدہ اٹھانا چاہا اور لپک کر ریوالور کی طرف گیا۔ لیکن ادھر حمید اس موقع کو کیسے ہاتھ سے جانے دیتا۔ چھلانگ لگا کر سیدھا اس کے اوپر ہی جا گرا۔ ہیبت خاں غرا کر پلٹا لیکن حمید کے دونوں ہاتھ اس کی گردن پر جم گئے۔ ہیبت خاں نے ایک زوردار مکا حمید کے پیٹ میں مار دیا۔ مکا بے حد طاقت سے مارا گیا تھا۔ اس سے حمید کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ اس کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے لیکن دوسرے لمحے حمید نے سر جھٹک کر آنکھوں کے سامنے والی دھند کو جھٹکنے کی کوشش کی اور وہ کامیاب ہو گیا اور پھر اس سے پہلے کہ ہیبت خاں ریوالور چلاتا، حمید کی کہنی کی زوردار ضرب اس کی پسلی پر آ پڑی اور وہ کراہ کر رہ گیا۔ اب حمید کے سر پر جنون سوار ہو گیا۔ اس نے تابڑ توڑ مکے مارنے شروع کر دیئے۔ ہیبت خاں نے مختلف داؤ کھیلنے کی بے حد کوشش کی لیکن مقابلہ حمید کے ساتھ تھا۔ اس نے سارے داؤ ناکام بنا دیئے۔ چند لمحوں کے بعد ہیبت خاں کے سارے کس بل نکل چکے تھے۔

”نمبر بتاؤ۔“ ــــــ حمید نے غراتے ہوئے کہا۔

لیکن اس سے پہلے کہ ہیبت خاں کوئی جواب دیتا ایک بیرہ دروازہ کھول کر اندر گیا۔ وہ ہیبت خاں اور حمید کی حالت دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔ حمید نے پھرتی سے اس کی ٹانگیں گھسیٹنی چاہیں لیکن وہ چیخیں مارتا ہوا باہر نکل گیا۔ حمید نے بھی وقت ضائع نہیں کیا اور ایک زوردار مکا

نڈھال ہیبت خاں کی کنپٹی پر مارا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ حمید نے لپک کر اس لحیم شحیم غنڈے کو کاندھے پر لاد لیا اور دروازے سے باہر نکل آیا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں ریوالور تھا لیکن دروازے سے نکلتے ہی اس کا سامنا تین مسلح بدمعاش غنڈوں سے ہو گیا جو کمرے کے دروازے کی طرف بھاگے چلے آ رہے تھے۔ حمید نے اور کوئی چارہ کار نہ دیکھتے ہوئے گولی چلا دی اور وہ تینوں وہیں ڈھیر ہو گئے۔ حمید تیزی سے بھاگتا ہوا چائے خانے سے باہر نکل آیا۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس وقت چائے خانہ خالی تھا۔ وہ اسے لیے ہوئے ملحقہ گلی میں بھاگتا چلا گیا۔

پھر وہ اندھا دھند مختلف گلیوں میں بھاگتا چلا گیا۔ یہ بھی اتفاق تھا کہ اس وقت گلیاں سنسان تھیں۔ جوش کی وجہ سے اسے ہیبت خاں کے وزن کا احساس ہی نہیں رہا تھا اور پھر وہ جیسے ہی ایک گلی سے ہوتا ہوا سڑک پر آیا ایک نئی ٹیوٹا کار کی بریکیں تیزی سے چیخیں اور کار حمید کے پاس آ کر رک گئی۔

کار چلانے والی ایک خوبصورت اور الٹرا ماڈرن قسم کی لڑکی تھی۔

”ہارڈ سٹون۔“ ــــــ لڑکی نے کھڑکی سے سر نکال کر آہستہ سے کہا اور حمید نے ایک لمبی سانس لی۔ وہ سمجھ گیا کہ لڑکی بلیک فورس سے تعلق رکھتی ہے۔ اس نے جلدی سے کار کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور ہیبت خاں کو گٹھڑی کی طرح کار میں گھسیٹ دیا۔ اور پھر وہ خود بھی اندر داخل ہو گیا۔ یہ سب کچھ چند منٹوں میں ہو گیا اور پھر کار تیزی سے سڑک پر بھاگتی چلی گئی۔

ٹرنٹولا کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ ایک تپائی پر ٹیلی فون سیٹ موجود تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ ٹہلتا رہا۔ وہ بار بار ایک ہاتھ کا مکا دوسری ہتھیلی پر مار رہا تھا۔ نجانے اس کے ذہن میں کیا لاوا ابل رہا تھا۔ پھر ٹیلی فون کی تیز گھنٹی سے کمرہ گونج اٹھا۔ ٹرنٹولا نے ایک لمحہ کے لیے ٹیلی فون سیٹ کو گھورا۔ پھر ریسیور اٹھا کر کانوں سے لگا لیا۔

''ہیلو۔''——وہ اتنے زور سے دھاڑا کہ کمرہ گونج اٹھا۔

''باس ہم نے ان تینوں کی مکمل تحقیق کر لی ہے جنھوں نے آپ کی کار کا تعاقب کیا تھا۔''——دوسری طرف سے ایک سہمی ہوئی سی آواز آئی۔

''کون تھے وہ۔''——ٹرنٹولا کی آواز میں شدید غراہٹ تھی۔

''سر وہ تین افراد تھے اور تینوں یہاں کے مقامی اخبار ''ٹارگٹ'' کے عملے سے تعلق رکھتے ہیں۔''

''ٹارگٹ۔''——ٹرنٹولا نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں۔''——دوسری طرف سے ہلکی سی آواز آئی۔

''لیکن ٹارگٹ والوں کو میرا تعاقب کرنے کا فائدہ۔''——ٹرنٹولا بدستور سوچ میں غرق تھا۔

''معلوم نہیں باس۔''

''او کے۔ نمبر تھرٹی سے کہو کہ زیرو فور مشین سے اخبار ٹارگٹ والوں کا دفتر اڑا دیا جائے۔''——ٹرنٹولا نے حکم دیا۔

''او کے سر۔''——دوسری طرف سے آواز آئی اور ٹرنٹولا نے ریسیور رکھ دیا۔ وہ چند لمحے تک سوچتا رہا۔ پھر اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیے۔ ایک لمحے بعد رابطہ قائم ہو گیا۔

''ہیلو۔''——ٹرنٹولا نے باوقار انداز میں کہا۔

''نمبر سکس سر۔''——دوسری طرف سے آواز آئی۔

''نمبر سکس۔ سرچنگ مشین سے کرنل فریدی کو تلاش کرو۔ مجھے ہر حالت میں اس کا پتہ چاہیے۔''——ٹرنٹولا نے غراتے ہوئے کہا۔

''سر۔ میں نے پہلے بھی بے حد کوشش کی ہے لیکن فریدی کا کچھ پتہ نہیں چل رہا۔''

''میں ناکامی کی بات نہیں سننا چاہتا۔ فریدی کا پتہ ہر حالت میں لگنا چاہیے۔''——ٹرنٹولا غصے سے دھاڑا۔

"او کے باس۔ میں ایک بار پھر کوشش کرتا ہوں۔"

"کوشش ہر صورت میں کامیاب ہو جانی چاہیے۔" ——— ٹرنٹولا نے یہ کہہ کر رسیور رکھ دیا۔

پھر جیب سے نقاب نکال کر پہنا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ کمرے کا دروازہ ایک طویل راہداری میں تھا۔ راہداری بالکل سنسان تھی۔ راہداری سے گزرتا ہوا وہ ایک اور دروازے کے سامنے رک گیا۔ دروازہ بند تھا۔ اس نے دروازے پر تین دفعہ مخصوص انداز میں دستک دی۔ دوسرے لمحے دروازہ بے آواز کھلتا چلا گیا۔ ٹرنٹولا اندر داخل ہو گیا۔ یہ دروازہ ایک بہت بڑے ہال کا تھا۔ ہال میں صرف چند کرسیاں اور ایک میز تھی۔ باقی سارا ہال خالی تھا۔ ٹرنٹولا ہال سے گزرتا ہوا کونے میں بنے ہوئے ایک اور دروازے کے قریب پہنچا اور پھر مخصوص انداز میں اس دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھل گیا اور ٹرنٹولا اندر داخل ہو گیا۔ یہ ایک چھوٹی سی راہداری تھی۔ جس کے سامنے ایک اور دروازہ موجود تھا۔ دروازے کے باہر ایک نقاب پوش پہرہ دے رہا تھا۔ ٹرنٹولا جیسے ہی اس کے قریب پہنچا۔ نقاب پوش نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی مشین گن کی نالی اس کے سینے سے ٹکا دی اور بھیانک آواز میں غرایا۔

"کوڈ۔"

ٹرنٹولا نے مشین گن کی نالی پر تین دفعہ مخصوص انداز میں تھپکی دی۔ نقاب پوش نے سٹین گن جھکا لی اور مڑ کر دروازہ کھول دیا۔ ٹرنٹولا اندر

داخل ہوا۔ یہ ایک وسیع وعریض ہال تھا جس میں بے شمار مختلف قسم کی چھوٹی اور بڑی مشینیں تھیں۔ تقریباً دس کے قریب نقاب پوش مختلف مشینوں کو آپریٹ کر رہے تھے۔ ان سب نے صرف ایک لمحہ کے لیے آنے والے کی طرف دیکھا اور پھر دوبارہ اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے۔ البتہ اب ان کی حرکات میں پہلے سے کہیں زیادہ پھرتی تھی۔ ٹرنٹولا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا ایک چھوٹی سی مشین کے پاس رک گیا۔ یہ مشین بظاہر ایک درمیانے سائز کا ریڈیوگرام تھا۔ نقاب پوش ٹرنٹولا اس مشین کے سامنے رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھا اور اس پر لگے ہوئے ڈائلوں کو دیکھنے لگا۔ چھوٹے چھوٹے ڈائلوں کے درمیان بہت بڑا ڈائل تھا۔ جس پر سرخ رنگ کے مختلف ہندسے بنے ہوئے تھے اور ایک انتہائی سرخ رنگ کی بڑی سی سوئی تھرتھرا رہی تھی۔ سوئی اس وقت 240 کے ہندسے پر تھی۔ اس مشین کو نمبر سکس آپریٹ کر رہا تھا۔

"نمبر سکس کچھ پتہ چلا۔" ——— ٹرنٹولا کی غراہٹ آمیز سرد آواز گونجی۔

"نو سر ابھی تک کچھ پتہ نہیں چل رہا۔" ——— نمبر سکس نے مشین کے اوپر بنی ہوئی سکرین پر بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

اس سکرین پر شہر کے ایک بارونق علاقے کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ اس منظر میں بہت سی عورتیں، مرد، بوڑھے اور بچے آ جا رہے تھے۔ ڈائل کی سوئی آہستہ آہستہ آگے بڑھتی رہی اور سکرین پر منظر بھی اس کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتا چلا گیا۔ اچانک ایک سڑک کا منظر

سکرین پر ابھرا اور نمبر سکس کے ساتھ ساتھ ٹرنٹولا بھی چونک پڑا۔

"کیپٹن حمید اور ہیبت خاں۔" ——— نمبر سکس حیرت سے بڑبڑایا۔ سکرین پر ایک سڑک کا منظر تھا۔ کیپٹن حمید غنڈوں کے لباس اور میک اپ میں بے ہوش ہیبت خاں کو کاندھے پر لادے ہوئے تیزی سے ایک گلی سے باہر نکلا۔ اس کے گلی سے نکلتے ہی ایک کار اس کے قریب آ کر رکی۔ جسے ایک لڑکی چلا رہی تھی۔ لڑکی نے کھڑکی سے سر نکالا۔

نمبر سکس نے پھرتی سے ایک اور بٹن دبا دیا۔ مشین پر لگے ہوئے ایک چھوٹے سے لاؤڈ سپیکر پر مختلف آوازوں کا شور ابھرا۔

"ہارڈ سٹون۔" ——— لڑکی نے کھڑکی سے سر نکال کر حمید سے کہا اور پھر کیپٹن حمید بے ہوش ہیبت خاں کو کار کی پچھلی سیٹ پر ڈال کر خود بھی سوار ہو گیا اور کار تیزی سے دوڑتی چلی گئی۔

"کیپٹن حمید ابھی تک زندہ ہے۔" ——— ٹرنٹولا بڑبڑایا۔ اس کی آواز میں حیرت نمایاں تھی۔

"یس سر۔" ——— نمبر سکس نے آہستہ سے کہا۔

"کار کا تعاقب کرو۔ ہمیں اس سے ضرور کرنل فریدی کا پتہ چل جائے گا۔" ——— ٹرنٹولا نے نمبر سکس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اور نمبر سکس نے مشین پر لگے ہوئے ایک چھوٹے سے لیور کو گھمانا شروع کر دیا۔ منظر پر کار دوڑتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ کار سکرین کے فوکس ہی میں رہی۔ مختلف سڑکوں سے گزر کر کار ایک چھوٹے سے بنگلے پر رک

گئی۔ بنگلے کا پھاٹک بند تھا۔ لڑکی کار سے باہر نکلی اور اس نے پھاٹک کے پاس لگے ہوئے ایک چھوٹے سے بٹن کو دبا دیا۔ پھاٹک خود بخود کھلتا گیا۔ پھر وہ دوبارہ کار میں بیٹھی اور کار بنگلے کے اندر داخل ہو گئی۔ کار کمپاؤنڈ سے گزرتی ہوئی پورچ میں جا کر رک گئی۔

لڑکی نے باہر نکل کر کار کا پیچھے کا دروازہ کھول دیا۔ حمید پھرتی سے باہر نکلا اور پھر اس نے بے ہوش ہیبت خاں کو باہر گھسیٹ لیا۔ لیکن دوسرے لمحے حمید کے سینے پر ہیبت خاں کی لات لگی اور وہ اچھل کر لان میں جا گرا۔ ہیبت خاں یقیناً ہوش میں آ چکا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور حرکت کرتا لڑکی کا ریوالور اس کی پشت پر لگ گیا۔

"ہینڈز اپ۔" ——— لڑکی نے کھردرے لہجے میں کہا۔

اور ہیبت خاں نے چپکے سے ہاتھ اٹھا لیے۔ حمید بھی کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوا اور وہ اطمینان سے چلتا ہوا ہیبت خاں کے قریب آیا اور پھر ایک زناٹے دار تھپڑ ہیبت خاں کے چہرے پر پڑا اور وہ دوسری طرف الٹ گیا۔

لڑکی کے ریوالور کا رخ ابھی تک اس کی طرف تھا۔ حمید نے تھپڑ مار کر ایسے ہاتھ جھاڑے جیسے اس کے روز کا معمول ہو۔ پھر ریوالور کے زور پر وہ دونوں ہیبت خاں کو لے کر کوٹھی کے اندر داخل ہو گئے۔ حمید نے اب رسی کی مدد سے ہیبت خاں کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے اور اسے ایک صوفے پر دھکیل دیا۔ لڑکی تیزی سے ٹیلی فون کی طرف لپکی۔

"کلوز کر کے نمبر چیک کرو۔" ——— ٹرنٹولا نے نمبر سکس کو حکم دیا

اور نمبر سکس نے ایک لیور کو تیزی سے گھمایا۔ سکرین پر ٹیلی فون سیٹ بڑا ہونا شروع ہو گیا۔ پھر ایک انگلی نے نمبر گھمانا شروع کر دیئے۔ نمبر پر نمبر گھومتے رہے اور جب نمبر گھومنے بند ہو گئے تو نمبر سکس نے دوسرا لیور دوبارہ گھما دیا۔ اب سکرین پر منظر وسیع ہوتا چلا گیا۔ لڑکی کے کانوں سے رسیور لگا ہوا تھا۔

''ہیلو بلیک فورس۔ نمبر تھرٹین سپیکنگ۔''۔۔۔۔۔ لڑکی نے رابطہ قائم ہوتے ہی کہا۔

''یس نمبر فون آن دی لائن۔''۔۔۔۔۔ دوسری طرف سے مدھم سی آواز آئی۔

''نمبر ٹائیگر [illegible] ہیبت خاں کے پوائنٹ نمبر فور ون پر موجود ہے۔''

''ابھی انہیں [illegible] ہیں روکو۔ میں تھوڑی دیر میں مزید حکم دوں گا۔''

دوسری طرف سے نمبر فور کی آواز ابھری اور لڑکی نے رسیور رکھ دیا۔

''تھری ون کا بٹن دبا کو دیکھو کیپٹن حمید کس کے میک اپ میں ہے۔''۔۔۔۔۔ ٹرنٹولا نے نمبر سکس کو حکم دیا اور نمبر سکس نے پھرتی سے ایک بٹن دبایا۔ اب کیپٹن حمید غنڈے کے میک اپ میں موجود تھا۔

''اونہہ۔ تو اس کا مطلب ہے کیپٹن حمید بچ گیا ہے اور اب اس غنڈے کے میک اپ میں ٹائیگر بنا ہوا ہے۔ لیکن یہ بلیک فورس اور ہارڈ سٹون کا کیا مطلب ہے۔''۔۔۔۔۔ ٹرنٹولا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''میرے خیال میں یہ فریدی کی پرائیویٹ تنظیم ہے اور ہارڈ سٹون

اس کا کوڈ لگتا ہے۔''۔۔۔۔۔ نمبر سکس نے اظہار رائے کیا۔

''ہاں۔ یہی ہو سکتا ہے۔''۔۔۔۔۔ ٹرنٹولا نے کہا۔

''لیکن ہیبت خاں کے اغوا سے انہیں کیا فائدہ۔''۔۔۔۔۔ نمبر سکس نے پوچھا۔

''ہیبت خاں کون ہے۔''۔۔۔۔۔ ٹرنٹولا نے پوچھا۔

''یہ شیرو دادا کا خاص ساتھی ہے۔''۔۔۔۔۔ نمبر سکس نے جواب دیا۔

''ہیبت خاں کے اغوا سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اسے شیرو دادا اور اس کے رابطے کے متعلق ضرورت سے زیادہ معلوم ہوگا۔''۔۔۔۔۔ ٹرنٹولا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''تو کیا اسے گولی مار دی جائے۔''۔۔۔۔۔ نمبر سکس نے پوچھا۔

''ابھی نہیں۔ اگر یہ یہیں ختم ہو گیا تو کرنل فریدی سامنے نہیں آ سکے گا۔ اس کے ذریعے ہم کرنل فریدی کا پتہ معلوم کر سکتے ہیں۔'' ٹرنٹولا نے کہا۔

اور پھر ان دونوں کی نظریں سکرین پر جم گئیں۔ وہ لڑکی اور کیپٹن حمید آپس میں باتیں کر رہے تھے اور ہیبت خاں خاموش بیٹھا انہیں بغور دیکھ رہا تھا۔

اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ لڑکی چونکی اور پھر تیزی سے رسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

''نمبر تھرٹین ٹائیگر اور ہیبت خاں کو ہیڈ کوارٹر بھیج دو۔ ایک وین

ابھی پوائنٹ فور ون پر پہنچے گی۔ تم تاحکم ثانی وہیں رہو گی۔"

"اوکے سر۔" ـــــ لڑکی نے رسیور رکھ دیا۔

تھوڑی دیر بعد کیپٹن حمید اور ہیبت خاں ایک بند وین میں سوار ہوئے اور وین بنگلے سے باہر نکل گئی۔

"اس بنگلے کا محل وقوع نوٹ کر لو۔" ـــــ ٹرنٹولا نے نمبر سکس کو حکم دیا۔

"کر لیا ہے جناب۔" ـــــ نمبر سکس نے جواب دیا۔

اب سکرین پر وین بھاگتی چلی جا رہی تھی۔ وہ مختلف سڑکوں پر گزرتی جا رہی تھی اور ٹرنٹولا کا چہرہ جوش سے سرخ ہوتا جا رہا تھا۔ اچانک سکرین تاریک ہو گئی اور پھر مشین مردہ ہو کر رہ گئی۔

"یہ کیا ہوا۔ مشین کیوں بند ہو گئی ہے۔" ـــــ ٹرنٹولا چیخ اٹھا۔

"بجلی بند ہو گئی ہے جناب۔" ـــــ نمبر سکس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اوہ یہ بہت برا ہوا۔ اوہ اوہ۔" ـــــ ٹرنٹولا مٹھیاں بھینچتا ہوا بولا۔

"تم نے جنریٹر کا انتظام کیوں نہیں کیا۔" ـــــ ٹرنٹولا دھاڑا اور سب کے سب سہم کر رہ گئے۔

"آج ہو جائے گا سر۔" ـــــ نمبر سکس نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

"شٹ اپ یو نانسنس۔ اف کتنا بڑا نقصان ہو گیا۔" ـــــ ٹرنٹولا

بے بسی سے ہونٹ کاٹنے لگا۔ وہ مجرم جس نے حکومت کے بلند و بالا ایوانوں میں زلزلہ طاری کر دیا تھا۔ آج صرف بجلی بند ہو جانے سے بے بس ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد بجلی آ گئی۔ مشین میں دوبارہ زندگی سی دوڑ گئی۔ سکرین روشن ہو گئی لیکن اب سڑک صاف تھی۔

"جلدی کرو لیور گھماؤ۔" ـــــ ٹرنٹولا کے لہجے سے پریشانی عیاں تھی۔ نمبر سکس نے تیزی سے لیور گھمانا شروع کر دیا۔ منظر پر منظر بدل رہا تھا لیکن اس وین کا کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا۔ ٹرنٹولا کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ ایک بہت بڑا سراغ کھو چکا تھا۔ نمبر سکس لگاتار لیور گھماتا رہا لیکن بے سود۔ وین نجانے کہاں غائب ہو گئی تھی۔

"اب بند کرو اسے۔ ہم بہت بڑا سراغ کھو بیٹھے ہیں۔" ٹرنٹولا نے دھاڑتے ہوئے نمبر سکس سے کہا اور نمبر سکس نے جلدی سے بٹن آف کر دیا۔ مشین بند ہو گئی اور ساتھ ہی سکرین بھی تاریک ہو گئی۔

قاسم ہوٹل تھری سٹار کے مین ہال میں ایک میز پر منہ لٹکائے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ تمام دنیا سے بیزار ہو۔ حرکات سے کاہلی اور سستی صاف ظاہر تھی۔ ہال تقریباً سارا بھرا ہوا تھا۔ قاسم کے چاروں طرف الٹرا ماڈرن لڑکیاں اپنی میزوں پر موجود تھیں لیکن قاسم ان سب سے بیزار بیٹھا تھا۔

''اے غمید بھائی اب تمہیں کاں سے لے آؤں۔''۔۔۔۔ قاسم نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ لیکن اس کی بڑبڑاہٹ بھی اتنی بلند تھی کہ اس کے پاس کی دو میزوں پر بیٹھے ہوئے افراد نے بخوبی سن لیا۔

''آپ نے مجھ سے کچھ کہا۔''۔۔۔۔ ان میں سے ایک ادھیڑ عمر کے غیر ملکی نے قاسم سے مخاطب ہو کر کہا۔

''خوامخواہ۔ مان نہ مان میں تیرا مہمان۔''۔۔۔۔ قاسم نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب۔''۔۔۔۔ غیر ملکی نے حیرت سے کہا اور قاسم ایک بار پھر بڑبڑا کر رہ گیا۔

غیر ملکی نے اسے یوں دیکھا جیسے سوچ رہا ہو کہ کوئی پاگل معلوم ہوتا ہے۔

''اے غمید بھائی خدا کے لیے تھوڑی سی دیر کے لیے ہی یہاں آؤ۔ کسی فل فلوٹی سے تعارف ہی کرا دو۔ اللہ بھلا کرے گا۔'' قاسم دوبارہ بڑبڑانے لگا۔ اتنے میں ایک خوبصورت سا نوجوان اس کے سامنے والی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ قاسم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر اس کے چہرے پر غصے اور ناگواری کے تاثرات ابھر آئے۔

''اخلاق کس چڑیا کا نام ہے۔''۔۔۔۔ اس نے نوجوان پر طنز کی۔

''سبز رنگ کی چڑیا کو کہتے ہیں۔''۔۔۔۔ نوجوان نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

''کیا مطلب۔''۔۔۔۔ قاسم نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔

''اب آنکھیں ہی پھاڑتے رہو گے یا چائے بھی پلاؤ گے۔'' نوجوان نے مسکراتے ہوئے قاسم سے کہا۔

''کیوں چائے پلواؤں۔ کوئی میرے پاس فالتو فنڈ کے پیسے ہیں۔''

''ابھی تو اخلاق والی چڑیا کا پوچھ رہے تھے۔''

''ابے کیوں خواہ مخواہ میرے سر ہو رہے ہو۔ بھیک مانگنا ہے تو قاعدے سے مانگو۔''۔۔۔۔ قاسم کا غصہ اب عروج پر تھا۔

"قاعدے کا ایڈریس بتاؤ۔"۔۔۔۔۔نوجوان کے لبوں پر اب مسکراہٹ تیر رہی تھی۔

"کس قاعدے کا۔"۔۔۔۔۔قاسم نے حیرت سے پوچھا۔

"جس سے میں بھیک مانگوں۔"

"ابے تم سچ مچ کے بھکاری ہو۔ میں تو مجاق کر رہا تھا۔"۔۔۔۔قاسم نے جھینپتے ہوئے کہا اور پھر اس نے جیب سے بٹوہ نکال کر دس کا ایک نوٹ نکالا اور نوجوان کے سامنے پھینک دیا۔

"شکریہ۔"۔۔۔۔۔نوجوان نے نوٹ اٹھا کر جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"اب ٹلو بھی سہی یا یہیں گل محمد بنے بیٹھے رہو گے۔"۔۔۔۔۔قاسم نے زور سے کہا۔

"چائے پلاؤ تو تمہارا فل فلوٹی سے تعارف بھی کرا دوں گا۔" نوجوان نے کہا اور قاسم کی مارے خوف سے آنکھیں پھٹ گئیں۔ وہ زور سے اچھلا اور پھر چیخنے لگا۔

"بھوت بھوت، بچاؤ، بچاؤ۔"

ہال میں بیٹھے ہوئے سب لوگ چونک پڑے۔ قاسم اندھا دھند بھاگنے لگا۔ اس کے سامنے جو میز بھی آئی الٹتی چلی گئی۔ وہ مسلسل بھوت بھوت پکار رہا تھا۔ کچھ لوگوں نے اس ہاتھی کو بڑی مشکل سے پکڑا۔

"کیا بات ہے؟ کہاں ہے بھوت۔"۔۔۔۔۔لوگوں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ۔ وہ بیٹھا ہے۔"۔۔۔۔۔قاسم نے انتہائی خوفزدہ انداز میں اپنی میز پر بیٹھے ہوئے نوجوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور سب لوگ حیرت سے اس نوجوان کی طرف دیکھنے لگے جو اب اٹھ کر انہی کی طرف آ رہا تھا۔

"بچاؤ بچاؤ۔ وہ آ رہا ہے۔"

قاسم نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی لیکن بہت سے لوگوں نے اسے مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ دوسرا شائد خوف کی وجہ سے اس کی بے پناہ قوت بھی زائل ہو گئی تھی۔ نوجوان جیسے ہی قریب آیا قاسم نے آنکھیں بند کر لیں۔

"قاسم پاگل مت بنو، ہوش میں آؤ۔"۔۔۔۔۔نوجوان نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور قاسم نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولنی شروع کر دیں اور پھر جیسے ہی اس نوجوان پر اس کی نظر پڑی اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں اور بھوت بھوت چیخا اور پھر اس نے زور سے جھٹکا مارا اور لوگوں سے خود کو چھڑوا کر گیٹ کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ لوگ ایک طرف ہٹتے چلے گئے اور قاسم تیزی سے مین گیٹ سے باہر نکل گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے وہ نوجوان بھی باہر آ گیا۔ لوگ حیرت سے منہ پھاڑے دیکھتے رہ گئے۔

قاسم تیزی سے اپنی کار کی طرف بڑھا اور پھر چند لمحے بعد اس کی کار ہوٹل کے کمپاؤنڈ سے باہر نکل گئی۔ لیکن خوف اور تیزی کی وجہ سے اسے معلوم ہی نہ ہو سکا کہ وہی نوجوان پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا ہے۔

ٹل سے کافی دور آنے کے بعد قاسم نے اطمینان سے لمبا سانس لیا۔ تھے سے پسینہ پونچھا اور پھر بڑبڑایا۔

"اللہ نے بچا لیا ورنہ بھوت سالا چمٹ گیا تھا۔"

اچانک قاسم کو پشت پر ریوالور کی نال کی چبھن محسوس ہوئی اور اسی لمحے اس نے بیک مرر میں اسی نوجوان کو دیکھ لیا۔ اس کی ایک زوردار چیخ نکل گئی۔ سٹیئرنگ اس کے ہاتھ سے چھوٹتا چھوٹتا بچا۔ شکر تھا کہ سڑک پر ٹریفک زیادہ نہیں تھی ورنہ ایکسیڈنٹ ہونے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔

"کار روکو۔"——نوجوان نے سختی سے کہا اور قاسم نے بریک پر پورا دباؤ ڈال دیا۔ کار ایک طویل چیخ مار کر رک گئی۔

"باہر نکلو۔"——اسی نوجوان نے اسے حکم دیا۔

"اماں بھوت صاحب میری جان چھوڑو۔ میں تو اللہ میاں کا نیک بندہ ہوں۔"——قاسم نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"تم باہر نکلو۔"——نوجوان کی آواز کرخت ہو گئی۔ بادل نخواستہ قاسم کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ کار اس وقت نیشنل پارک کے قریب رکی ہوئی تھی۔ نوجوان قاسم کو دھمکیاں دیتا ہوا نیشنل پارک کے ایک کونے میں لے آیا۔ سنسان جگہ دیکھ کر قاسم کی روح فنا ہو رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نجانے یہ بھوت کیا کرنے والا ہے۔

"اس بنچ پر بیٹھ جاؤ۔"——نوجوان نے اسے کہا اور وہ خاموشی

سے بنچ پر بیٹھ گیا۔ اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ سارا جسم خوف کے مارے کانپ رہا تھا۔

"ہاں اب بتاؤ تمہیں کیا سزا دی جائے۔"——نوجوان نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

"جن صاحب خدا کے واسطے مجھے معاف کر دو۔ میں بڑا مجلوم آدمی ہوں۔"——قاسم نے اب باقاعدہ ہاتھ باندھ کر التجا کرنی شروع کر دی۔

"تم نے مجھے بھکاری کیوں کہا تھا۔"

"اچھا بابا میں بھکاری، میرا باپ سالا سرعام بھکاری، میری بیوی چھپکلی بیگم بھکاری۔"

"نہیں نہیں میں تمہیں تین مہینے کے لیے اس درخت کے ساتھ الٹا لٹکا دیتا ہوں۔"——نوجوان نے غصے سے دھاڑتے ہوئے کہا۔

"الٹا تین مہینے باپ رے باپ میں مر جاؤں گا۔ میرا باپ یتیم ہو جائے گا۔ میری بیوی رنڈوی ہو جائے گی۔"

قاسم کا خوف اب پورے عروج پر تھا۔ اچانک اسے کچھ خیال آیا۔ وہ بنچ سے زمین پر لیٹ گیا اور ناک سے لکیریں کھینچنا شروع کر دیں۔ ایک عجیب مضحکہ خیز منظر تھا۔ نوجوان ہنسی دبانے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

"بیوی رنڈی ہو جائے گی۔"——نوجوان نے اس کا کہا ہوا فقرہ دہراتے ہوئے کہا۔

بیوی کے ساتھ رنڈی کا لفظ سنتے ہی قاسم کی ذہنی رو پلٹ گئی اور بھوت کا سارا خوف جیسے غائب ہو گیا۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ تقریباً دھاڑتا ہوا اٹھا۔

"کیا کہا رنڈی میری بیوی۔ رنڈی سالے تمہاری بھوتنی ہو۔ رنڈی تمہاری بھوتنی کی اماں جان ہو رنڈی، ٹانگیں نہیں چیر دوں گا بڑے آئے سالے بھوت بن کے۔"

"ارے ارے سنو تو۔" —— قاسم کو غصے سے اپنی طرف آتا دیکھ کر نوجوان دو قدم پیچھے ہٹ گیا لیکن قاسم غصے میں اس کی طرف بڑھتا ہی گیا۔

"ارے سنو تمہارے حمید بھائی کا کیا حال ہے۔" —— نوجوان نے ایک طرف اچھلتے ہوئے کہا۔

"مر گئے سالے غمید بھائی۔ سالے جہنم کا ایندھن۔"

"اگر میں تمہیں حمید سے ملا دوں تو۔" —— نوجوان نے قاسم سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے کہا اور قاسم ایک دم رک گیا۔

"کیا کہا غمید سے ملاؤ گے تو کیا مجھے قبرستان لے جاؤ گے اور ہاں غمید بھائی کی تو قبر ہی نہیں ہے۔" —— قاسم کو خیال آ گیا۔

"تم آرام سے سنو تو۔" —— نوجوان نے نرمی سے کہا۔

"سناؤ۔" —— قاسم اب ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔

"تمہارا غمید بھائی ابھی زندہ ہے۔ اس دن سڑک پر وہ مرا نہیں تھا تم بے ہوش ہو گئے تھے اس لیے تمہیں پتہ نہیں چلا۔"

"لیکن وہ سالا گھنٹی کی اولاد ٹرن ٹرن ٹولا۔ کیا جھوٹ بولتا تھا۔" قاسم نے ہاتھ لچکاتے ہوئے کہا۔

"ہاں اس نے جھوٹ بولا تھا۔ کرنل فریدی نے حمید کو بچا لیا تھا۔"

"اللہ قسم۔" —— قاسم نے یقین نہ کرنے والے انداز میں کہا۔

"ہاں۔ تو پتہ ہے کرنل فریدی کتنا اونچا آدمی ہے۔ پھر وہ حمید کو کیسے مرنے دیتا۔" —— نوجوان اب نرمی سے اسے سمجھا رہا تھا۔

"ہاں یہ بات ہے۔ لیکن ہوٹل میں تم نے غمید بھائی جیسی آواز کیوں نکالی تھی۔" —— قاسم نے سوچتے ہوئے کہا۔ اسے یکدم خیال آ گیا تھا۔

"اس لیے کہ میں خود حمید ہوں۔" —— نوجوان نے اطمینان سے کہا۔

"ارے نہیں۔"

"یہ دیکھو۔" —— اور حمید نے چہرے پر سے ایک باریک سی جھلی اتار دی۔ اب حمید اصل شکل میں موجود تھا۔

"اوہ۔ غمید بھائی میرے مرے ہوئے غمید بھائی۔"

قاسم نے اچانک اچھل کر حمید کو بغل گیر کر لیا۔ حمید نے بچنے کی کوشش کی لیکن قاسم اچانک جھپٹا تھا۔ اس لیے حمید اس کے قابو چڑھ گیا۔ قاسم نے اسے جوش میں پوری قوت سے بھینچنا شروع کر دیا۔

"غمید بھائی۔ تو تم تھے ہوٹل میں، میں سمجھا غمید بھائی کا بھوت

ہے۔''

ادھر حمید کی ہڈیاں کڑکڑا رہی تھیں۔ اس کا دم گھٹا جا رہا تھا۔ اس کے حلق سے بمشکل آواز نکل رہی تھی۔

''ابے ہاتھی کے بچے چھوڑ بھی سہی۔ میں مر رہا ہوں۔''

''کوئی بات نہیں۔ دوبارہ جندہ ہو جاؤ گے۔''۔۔۔۔۔قاسم نے اطمینان سے کہا۔

حمید اب واقعی مرنے کے قریب ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر ایک منٹ اور اس نے نہ چھوڑا تو واقعی دم گھٹ کر مر جائے گا۔ اس کے دماغ میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے پھرتی سے قاسم کی بغل میں گدگدی کر دی اور قاسم ایک جھٹکے سے علیحدہ ہو گیا۔

''ہی ہی۔ ابے کیا کرتا ہے۔''

حمید کا منہ خون کے دباؤ کی وجہ سے سرخ ہو گیا تھا۔ چند لمحے تک وہ اپنی سانس ٹھیک کرتا رہا۔ اس زوردار ملاپ کے دوران اس کے میک اپ کی جھلی بھی اتر چکی تھی۔ اس نے گھاس پر سے وہ جھلی اٹھا لی اور پھر منہ پر چڑھا لی۔ اب وہ دوبارہ اسی نوجوان کے میک اپ میں تھا۔ پھر جیسے ہی وہ جھلی چڑھا کر فارغ ہوا۔ اچانک اسے کمر میں ریوالور کی نال کی چبھن محسوس ہوئی اور پھر ایک سرد آواز گونجی۔

''ہینڈز اپ کیپٹن حمید۔''۔۔۔۔۔اور حمید نے خاموشی سے ہاتھ اوپر کر لیے۔ ایک آدمی نے قاسم کی کمر میں بھی ریوالور لگا دیا اور

قاسم ہونقوں کی طرح منہ کھولے کھڑا تھا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ غلطی اس سے ہوئی۔ وہ خواہ مخواہ قاسم کے چکر میں اپنا میک اپ اتار بیٹھا۔

''باہر چلو۔''۔۔۔۔۔اسی آواز نے حمید کو کہا اور حمید خاموشی سے پارک کے دروازے کی طرف چل پڑا۔

سیاہ رنگ کی بند وین مختلف سڑکوں پر سے چکراتی ہوئی آخر زیرو ہاؤس میں داخل ہوگئی۔ زیرو ہاؤس بلیک فورس کا مقامی ہیڈکوارٹر تھا اور فریدی آج کل وہیں رہائش پذیر تھا۔ وین پورچ میں رکنے کی بجائے سیدھی گیراج میں چلی گئی۔ ہیڈکوارٹر کے لیے فریدی نے پابندی لگائی ہوئی تھی کہ کوئی کار یا وین کمپاؤنڈ میں کسی صورت بھی کھڑی نہ کی جائے بلکہ متعلقہ گیراجوں میں روکی جائے۔ یہ گیراج زمین دوز تھے اور اندر سے ہی راستے ہیڈکوارٹر کے کمروں میں جانے کے لیے بنے ہوئے تھے۔ وین ایک گیراج میں جا کر رک گئی۔ وین کے رکتے ہی کیپٹن حمید نے جو اس وقت ٹائیگر کے روپ میں تھا بندھے ہوئے ہیبت خاں کو باہر نکالا اور پھر اسے اندرونی راستے سے زیرو ہاؤس کے ڈرائنگ روم میں لے گیا۔ کیونکہ فریدی اس وقت وہیں بیٹھا ہوا تھا۔

ہیبت خاں کے چہرے پر الجھنیں ہی الجھنیں بکھری ہوئی تھیں۔

''صوفے پر بیٹھ جاؤ۔''_____فریدی نے حکم دیا اور وہ خاموشی سے سامنے پڑے ہوئے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ حمید بھی فریدی کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا اور پھر اس نے ہیبت خاں سے معلوم کردہ تمام حالات بڑی سنجیدگی سے سنا دیئے

''ہوں۔ تو بتاؤ شیرو دادا ٹرنٹولا سے کس نمبر پر رابطہ قائم کرتا تھا۔'' فریدی نے سنجیدگی لیکن انتہائی سخت لہجے میں پوچھا۔

''میں نہیں جانتا۔''_____ہیبت خاں نے جواب دیا۔

''مجھے جانتے ہو۔''_____فریدی نے اس سے پوچھا۔

''نہیں۔ لیکن اتنا جانتا ہوں کہ تم نے مجھے غیر قانونی طور پر باندھ رکھا ہے اور اس کی جواب دہی تمہیں عدالت میں کرنی ہو گی۔'' ہیبت خاں نے سخت آواز میں رعب ڈالتے ہوئے کہا اور فریدی ہنس پڑا۔

''میں اپنے معاملات خود نپٹاتا ہوں۔ اس لیے عدالت جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''_____اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہ ہم اپنی عدالت یہیں قائم کر لیں تاکہ ہیبت خاں کی حسرت دل میں نہ رہ جائے۔''_____حمید نے شوخی سے کہا۔

''اور شاید تم خود جج بننا چاہتے ہو گے۔''_____فریدی نے بھی مذاق کے موڈ میں آتے ہوئے کہا۔

''صاف ظاہر ہے ہیبت خاں مدعی ہے آپ ملزم۔ تو جج تو مجھے ہی بننا پڑے گا لیکن میں انصاف کے دوران کوئی رعایت نہیں برتوں گا۔'' حمید نے گردن اکڑاتے ہوئے کہا۔ جیسے وہ سچ مچ انصاف کی کرسی پر

بیٹھا ہوا ہو۔

"تو جج صاحب آپ پہلے مدعی کو میرا نام بتا دیں۔ اگر اس کے بعد بھی وہ دعویٰ کرنا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" ___ فریدی نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"تو سنو مدعی صاحب تمہارے مدعا علیہ کا نام ہے کرنل فریدی۔" حمید نے لہجے کو پروقار اور رعب دار بناتے ہوئے کہا۔

"کرنل فریدی۔" ___ ہیبت خاں یوں اچھلا جیسے اسے کسی سانپ نے کاٹ لیا ہو۔اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ آنکھیں حیرت اور خوف کے ملے جلے جذبات سے ابل پڑیں۔وہ کرنل فریدی کو اس طرح دیکھنے لگا جیسے کبوتر بلی کو دیکھتا ہے۔

"تو تو۔" ___ اس کے منہ سے خوف کے مارے آواز ہی نہیں نکل رہی تھی۔

"ابے کیا تو تو لگا رکھی ہے۔ بتا اب دعویٰ کرنا ہے یا نہیں۔" حمید نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

"لیکن۔ لیکن اس کا ثبوت۔" ___ آخر ہیبت خاں نے حواس بحال کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ثبوت اس کا یہ ہے کہ جج خود کیپٹن حمید ہے۔" ___ حمید نے معنی خیز نظروں سے ہیبت خاں کو گھورتے ہوئے کہا اور ہیبت خاں حیرت کی زیادتی کی وجہ سے ششدر رہ گیا۔

"ناممکن۔ کیپٹن حمید مر چکا ہے۔" ___ اس نے رکتے رکتے

کہا۔

"تو یہ دیکھو۔" ___ حمید کرسی سے اٹھا۔ الماری سے ایمونیا کی بوتل نکالی اور اپنا چہرہ صاف کر لیا۔ اب وہ اپنی اصل شکل میں تھا۔

کیپٹن حمید کو اپنے سامنے صحیح سلامت دیکھ کر ہیبت خاں کا چہرہ لٹک گیا۔اب اسے یقین ہو گیا کہ دوسرا فریدی ہی ہوگا اور کرنل فریدی سے وہ بخوبی واقف تھا۔ اس لیے اس نے کچھ بتانے سے پس و پیش نہ کرنے میں ہی عافیت سمجھی۔

"پوچھئے آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔" ___ اب ہیبت خاں کے چہرے پر مرعوبیت کی جھلک نمایاں تھی۔

"شیرو دادا ٹرنٹولا سے کس نمبر پر رابطہ قائم کیا کرتا تھا۔"

اور ہیبت خاں نے اطمینان سے نمبر بتا دیئے۔

"یہ نمبر تو ٹیلی فون ڈائریکٹری میں موجود نہیں۔" ___ کرنل فریدی نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں۔ میں جانتا ہوں لیکن شیرو دادا اسی نمبر پر ٹرنٹولا سے گفتگو کرتا تھا۔"

"رسیور ٹرنٹولا بذات خود اٹھایا کرتا تھا۔" ___ کرنل فریدی نے پوچھا۔

"یہ معلوم نہیں۔ ویسے دوسری طرف سے پہلے ایک زنانہ آواز میں پوچھا جاتا تھا۔"

"کس سے ملنا ہے۔"

"اور شیرو دادا کہتا ٹرنٹولا سے۔"

"پھر دوسری طرف سے پوچھا جاتا۔"

"ٹرنٹولا کے زہر کا تریاق کیا ہے۔"

"اور شیرو دادا جواب دیتا ناچنا اور گانا۔"

پھر ہلکی سی کھٹک کی آواز آتی اور سلسلہ مل جاتا۔

"تمہیں اتنی تفصیل سے یہ سب کچھ کیسے معلوم ہو گیا۔" کرنل فریدی نے سوال کیا۔

"دراصل ایک بار شیرو دادا کسی فوری کام کے لیے باہر جا رہا تھا۔ اس نے مجھے یہ سب کچھ بتا دیا تھا تاکہ میں ایک مخصوص ٹائم پر ٹرنٹولا کو ٹیلی فون کر کے پیغام دے دوں۔" ——— ہیبت خاں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"کیا پیغام تھا۔"

"کام ہو گیا ہے۔"

"کون سا کام۔" ——— فریدی نے چونکتے ہوئے کہا۔

"یہ تو مجھے علم نہیں۔ بس میں نے یہ فقرہ کہہ دیا تھا۔"

"ہوں۔" ——— فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور پھر حمید سے مخاطب ہو کر بولا۔

"حمید ذرا ٹرنٹولا کے نمبر ملاؤ۔"

لیکن حمید نے قدرے تذبذب سے کہا۔

"کیا ٹرنٹولا اس کال کے ذریعے ہمارے نمبر کا پتہ نہیں چلا لے

گا۔"

"احمق ہمارا ٹیلی فون نمبر خفیہ ہے۔ ایکسچینج میں ایسا کوئی نمبر نہیں ہے۔"

"اوکے۔" ——— حمید نے مطمئن ہو کر ٹیلی فون کا رسیور اٹھایا اور پھر ہیبت خاں کا بتلایا ہوا نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔ چند سیکنڈ بعد رابطہ قائم ہو گیا اور ایک مترنم سی زنانہ آواز حمید کے کانوں سے ٹکرائی۔

"کس سے ملنا ہے۔" ——— حمید آواز سن کر ہی مست ہو گیا۔ اس کا جی چاہا کہہ دے آپ سے محترمہ لیکن پھر اسے پچوئیشن کا خیال آ گیا اور اس نے اپنے خیال کو دباتے ہوئے بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ٹرنٹولا سے۔"

"ٹرنٹولا کے زہر کا تریاق کیا ہے۔"

حمید نے سوچا کہ کہہ دے آپ کی مترنم آواز لیکن پھر اس نے جواب دیا ناچنا اور گانا۔

جیسے ہی یہ الفاظ حمید کی زبان سے نکلے ہلکی سی کھٹک کی آواز آئی۔ پھر ایک غراہٹ سے بھرپور آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"کون بول رہا ہے۔"

اور حمید نے جلدی سے رسیور فریدی کی طرف بڑھا دیا۔ فریدی نے ہیلو کہا۔

"کون بول رہا ہے۔" ——— دوسری طرف غراہٹ زیادہ شدید ہو

گئی۔

''کرنل فریدی۔''_____ فریدی نے مطمئن انداز میں کہا۔

''کس سے ملنا ہے۔''_____ دوسری طرف سے آنے والی آواز میں اب بوکھلاہٹ کا عنصر بھی موجود تھا۔

''ٹرنٹولا سے۔''_____ فریدی نے اسی طرح اطمینان سے کہا۔

''سوری رانگ نمبر۔''_____ دوسری طرف سے آواز آئی۔

''بکواس مت کرو۔ میں جانتا ہوں تم ٹرنٹولا بول رہے ہو۔ میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں کہ اب تم میرے ہاتھوں سے بچ کر نہیں جا سکتے۔''_____ فریدی نے غراتے ہوئے کہا۔

''سنو کرنل فریدی۔ میں نے اب تک جان بوجھ کر تم پر ہاتھ نہیں ڈالا تھا۔ لیکن اب تم نے براہ راست مجھے دھمکی دی ہے اس لیے اب سنبھل کر رہنا۔ اب میں سب سے پہلے تمہیں ختم کروں گا۔ ویسے مجھے علم ہے کہ تم نے میرا نمبر کس سے معلوم کیا ہے۔ تمہیں ابھی تک ٹرنٹولا کی طاقت کا صحیح اندازہ نہیں ہوا ہے۔''

''کیا تم یہ بتا کر میری معلومات میں اضافہ نہیں کرو گے کہ میں نے یہ نمبر کہاں سے حاصل کیا ہے۔''_____ فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''تو سنو۔ تمہارے کیپٹن حمید نے جو میک اپ میں ہے اور جس نے اپنا جعلی نام ٹائیگر رکھا ہوا ہے اس نے شیرو دادا کے ساتھی ہیبت خاں کو شیرو دادا کے اڈے سے اغوا کیا اور وہاں سے تمہاری بلیک فورس

کی کار میں اسے ڈال کر پوائنٹ فور ون پر لے جایا گیا۔ وہاں سے ان دونوں کو ایک بند وین میں سوار کر کے پوائنٹ ون پر لے جایا گیا۔ ہیبت خاں سے تم نے یہ نمبر حاصل کیا اور اب تم مجھے ٹیلی فون کر رہے ہو۔ کیوں کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔''_____ ٹرنٹولا نے تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔

اور فریدی یہ سب کچھ سن کر حیرت سے دنگ رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ٹرنٹولا کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہو گیا۔

''تمہیں سانپ کیوں سونگھ گیا۔ تم تو اپنے آپ کو جاسوس اعظم سمجھتے پھر رہے تھے۔ دو چار تھرڈ کلاس مجرموں کو گرفتار کر کے تم نے سمجھ لیا کہ تم نے کوئی بڑا تیر مار لیا ہے۔''_____ ٹرنٹولا نے ایک زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے کہا اور فریدی نے خاموشی سے رسیور رکھ دیا۔

اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اس سے ٹرنٹولا جیسا خطرناک مجرم ٹکرایا تھا۔ جس کے سامنے اس کی بلیک فورس اور اس کا ہیڈ کوارٹر بھی چھپا نہ رہ سکا۔

''حمید کیا تمہارا کسی نے تعاقب کیا تھا۔''_____ فریدی نے اچانک حمید سے سوال کیا۔

''ہرگز نہیں۔''_____ حمید نے اطمینان سے کہا۔

''تو پھر ٹرنٹولا کو یہ سب کچھ کیسے پتہ چل گیا۔''_____ فریدی نے سوچتے ہوئے کہا۔ بلیک فورس، ٹائیگر، پوائنٹ فور ون، پوائنٹ ون۔ تو کیا ٹرنٹولا کو یہ سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ یہ تو انتہائی خطرناک سچوئیشن

پیدا ہوگئی ہے۔فریدی نے کہا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔اس کی آنکھوں
سے پریشانی صاف عیاں تھی۔

ملک کی حالت بالکل ابتر ہوچکی تھی۔تمام انتظامیہ مفلوج ہوکر
رہ گئی تھی۔ بہت سے اعلیٰ آفیسروں اور وزیروں اور دیگر حکام نے
ٹرنٹولا کے خوف سے استعفے دے دیئے تھے۔عوام کی پریشانی عروج پر
پہنچ چکی تھی۔ کاروبار جامد ہوکر رہ گئے تھے۔عوام چکی کے دو پاٹوں
کے درمیان پس رہے تھے۔

حکومت اس تمام صورت حال کی ذمہ داری ٹرنٹولا پر ڈال رہی تھی
اور ادھر ٹرنٹولا اس کی ذمہ داری حکومت پر ڈال رہا تھا۔اب تو عوام کی
زیادہ تعداد ٹرنٹولا کے حق میں ہوتی جا رہی تھی۔لوگوں نے تنگ آکر
اب حکومت کے خلاف مظاہرے کرنے شروع کر دیئے تھے۔حکومت
عوام کے مظاہروں سے اور بھی زیادہ بوکھلا گئی۔غنڈوں اور شرپسند عناصر
نے حالات سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔لوٹ مار، چوری، ڈاکہ زنی
عام ہوگئی۔ان بدتر حالات میں ٹرنٹولا کی ایک اور دھمکی اونٹ کی پیٹھ

پر آخری تنکا ثابت ہوئی۔اخباروں میں سرخ حاشیوں سے اس کی نئی دھمکی شائع ہوئی۔

''ٹرنٹولا ملک کے تمام جاگیرداروں، مل مالکوں، نوابوں اور ٹھیکیداروں کو خبردار کرتا ہے کہ وہ عوام کا خون چوسنے سے باز آ جائیں۔ تمام جاگیردار اپنی اپنی جاگیریں چوبیس گھنٹے کے اندر اندر کاشت کاروں میں تقسیم کر دیں۔
تمام مل مالک اپنی ملوں میں مزدوروں کو حصہ دار بنائیں۔
تمام ٹھیکیدار یہ سوچ لیں کہ آئندہ انہوں نے اپنے زیر تعمیر کاموں میں کسی بے ایمانی سے کام لیا تو انہیں موت کی سزا دی جائے گی۔ٹرنٹولا عظیم قوت ہے۔ٹرنٹولا سے ٹکرانا موت کو دعوت دینا ہے۔''

عوام کے مفادات کا نگہبان

ٹرنٹولا

یہ نئی دھمکی تو جاگیرداروں، مل مالکوں ، نوابوں اور ٹھیکیداروں پر آسمانی بجلی بن کر گری۔خوف کے مارے ان کے چہرے زرد پڑ گئے۔ انہیں علم ہو گیا کہ اب روز حساب آ گیا ہے۔وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ انہوں نے ٹرنٹولا کے کہنے پر فوری عمل نہ کیا تو ٹرنٹولا اپنی دھمکی پر بھی عمل کر گزرے گا۔بعض جاگیرداروں کو یہ اعلان سن کر ہارٹ اٹیک شروع ہو گئے۔ٹرنٹولا نے یہ دھمکی دے کر عوام کو اور زیادہ اپنے حق میں کر لیا۔اب لوگوں نے کھلم کھلا ٹرنٹولا کی تعریفیں شروع کر دیں لیکن

پھر گورنمنٹ کی مشینری حرکت میں آ گئی اور ٹرنٹولا کے حق میں باتیں کرنے والے عوام کی پولیس نے دھڑا دھڑ گرفتاریاں شروع کر دیں۔ عوام بھڑک اٹھے۔مظاہروں میں شدت پیدا ہوتی چلی گئی۔

ملک میں سرعام قتل و غارت شروع ہو گئی۔پولیس اور عوام ایک دوسرے سے ٹکرا گئے اور پھر صدر مملکت نے اس نازک ترین صورت حال سے گھبرا کر ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔فوج نے حکومت کا نظام سنبھال لیا۔اس سے وقتی طور پر یہ فائدہ ہو گیا کہ ملک میں امن و امان بحال ہو گیا۔عوام خاموش ہو گئے لیکن اب ٹرنٹولا کی عزت ان کے دل میں بڑھ گئی۔وہ عوام کا ہیرو بن گیا تھا۔ملٹری انٹیلی جنس کے جاسوسوں نے ٹرنٹولا کو گرفتار کرنے کی سرتوڑ کوششیں شروع کر دیں لیکن بے سود۔ٹرنٹولا کا کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا۔

صدر مملکت نے کرنل فریدی سے فون پر رابطہ قائم کرنا چاہا لیکن کرنل فریدی سے ہزار کوششوں کے باوجود رابطہ قائم نہ ہو سکا۔کرنل فریدی اپنے بتائے ہوئے ٹیلی فون نمبر پر بھی نہ مل رہا تھا۔

اس وقت وہ ایوان صدر میں اپنے مخصوص کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ان کا چہرہ پریشانیوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔ٹرنٹولا کا کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا۔ملکی حالات بدتر ہو گئے تھے۔مارشل لاء زیادہ عرصہ تک نافذ نہیں رکھا جا سکتا تھا۔کیونکہ خطرہ تھا کہ دشمن ملک کہیں اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر ملک پر حملہ نہ کر دیں۔ایک عجیب الجھن تھی جس کا کوئی

حل نظر نہیں آ رہا تھا۔ اچانک کمرے میں رکھے ہوئے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ صدر مملکت نے رسیور اٹھا لیا۔

"سر کوئی کرنل ہارڈ سٹون آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔" ان کے سیکرٹری نے انہیں اطلاع دیتے ہوئے کہا۔

"میں کسی سے نہیں ملنا چاہتا۔"——— صدر مملکت نے غصے سے دھاڑتے ہوئے کہا اور پھر انہوں نے زور سے رسیور کریڈل پر دے مارا۔

لیکن چند لمحے بعد گھنٹی دوبارہ بج اٹھی۔ انہوں نے رسیور اٹھایا اور دھاڑے۔

"ایک بار میں نے کہہ دیا کہ میں کسی سے نہیں ملنا چاہتا۔ پھر تم نے دوبارہ رنگ کرنے کی جرأت کیسے کی۔"——— وہ غصے میں بولتے چلے گئے۔

"سر معافی چاہتا ہوں۔ میں کرنل فریدی بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور صدر مملکت کا لہجہ اچانک بدل گیا۔

"فریدی تم کہاں ہو۔ میں نے کتنی بار تم سے رابطہ کرنا چاہا تم نے کہا تھا کہ تم مجرم کو جلد ہی گرفتار کر لو گے لیکن۔۔۔"

"سر قطع کلامی معاف۔ اس سلسلے میں آپ سے فوری طور پر ملنا چاہتا تھا۔"——— فریدی نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"تو آؤ جلدی آؤ۔"——— انہوں نے تیزی سے کہا۔

"سر آپ سیکرٹری صاحب کو [illegible] سر۔"——— فریدی نے جواب

دیا۔

"اوہ۔ رسیور سیکرٹری کو دو۔"——— صدر مملکت نے تیزی سے کہا۔

"یس سر۔"——— دوسرے لمحے سیکرٹری کی آواز آئی۔

"کرنل فریدی کو فوراً میرے خاص کمرے میں پہنچا دو۔" صدر مملکت نے حکم دیا۔

"او کے سر۔"——— سیکرٹری نے جواب دیا۔

اور چند لمحے کے بعد کرنل فریدی صدر مملکت کے کمرے میں پہنچ گیا۔

"تم۔"——— صدر مملکت نے حیرت سے کرنل فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"سر میک اپ۔"——— کرنل فریدی نے سیلوٹ کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔"——— صدر مملکت نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

"بیٹھ جاؤ۔"——— انہوں نے سامنے رکھے ہوئے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور کرنل فریدی نے حکم کی تعمیل کی۔

"ہاں اب بتاؤ ٹرنٹولا کے سلسلے میں تم کہاں تک پہنچے۔"——— انہوں نے قدرے طنزیہ انداز میں کہا۔

اور کرنل فریدی نے انہیں تفصیلاً سب کچھ بتایا کہ اس نے کس طرح فون نمبر کا پتہ چلایا لیکن تفصیل میں اس نے بلیک فورس کا حوالہ [illegible]

نہیں دیا۔

”لیکن اس سے ٹرنٹولا کی گرفتاری میں کیا مدد ملے گی اور پھر عوام کو مطمئن کرنے کے لیے ثبوت کہاں سے آئیں گے۔“

”سر یہ سب کچھ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ دو دن کے اندر اندر میں ٹرنٹولا کو بمعہ ثبوت کے آپ کے سامنے پیش کر دوں گا۔ میں صرف اس لیے حاضر ہوا تھا کہ آپ ٹاپ اتھارٹی ایشو کر دیں تا کہ میں بلا روک ٹوک ہر قسم کی کارروائی کر سکوں اور سوائے آپ کے اور کسی کے سامنے جواب دہ نہ ہوں۔“ـــــ فریدی نے کہا۔

”لیکن اس اتھارٹی کی تمہیں کیا ضرورت آن پڑی۔ مجھے وضاحت چاہیے۔“ـــــ صدر مملکت نے کچھ پس و پیش کرتے ہوئے کہا۔

”دیکھئے سر۔ ملک میں اس وقت مارشل لاء ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ٹرنٹولا کو گرفتار کرنے کے لیے اس کے خلاف ثبوت حاصل کرنے کے لیے مجھے چند ایسے اقدامات کرنے پڑیں گے جن کے لیے ٹاپ اتھارٹی کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔“ـــــ فریدی نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

”لیکن۔“ـــــ صدر مملکت نے ہچکچاتے ہوئے کہا کیونکہ انہیں علم تھا کہ یہ اتھارٹی سائن کرنل فریدی کو لامحدود اختیارات کا مالک بنا دے گا اور اگر کرنل فریدی نے ذرا سا بھی اس سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا تو وہ ٹرنٹولا سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

”آپ مجھ پر اعتماد کریں سر۔ میں انشاء اللہ آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔“ـــــ فریدی نے صدر مملکت کی ہچکچاہٹ کی وجہ سمجھتے ہوئے کہا۔

”اوکے۔“ـــــ صدر مملکت نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔ لیکن یہ یاد رکھو۔ دو دن کے اندر اندر ٹرنٹولا بمعہ ثبوت کے گرفتار ہو جائے۔

”ایسا ہی ہو گا سر۔“ـــــ کرنل فریدی نے اعتماد سے کہا۔

اور صدر مملکت نے رسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔ چند لمحے بعد وہ اپنے آفس سیکرٹری سے بات کر رہے تھے۔

”سیکرٹری ایک ٹاپ اتھارٹی سائن تیار کر کے فوراً میرے پاس پہنچا دو۔“ـــــ انہوں نے سیکرٹری کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

اور پھر تھوڑی دیر بعد سیکرٹری ٹاپ اتھارٹی سائن جو کہ ایک چھوٹا سا کارڈ تھا ان کے سامنے رکھ دیا۔ صدر مملکت نے اس پر دستخط کئے اور پھر وہ سائن فریدی کے حوالے کر دیا۔ فریدی نے ایک نظر سائن کو دیکھا اور پھر اسے کوٹ کی جیب میں رکھ لیا۔

”اچھا سر۔ مجھے اجازت دیجئے۔“ـــــ فریدی نے اجازت طلب نظروں سے صدر مملکت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اوکے۔ وش یو گڈ لک۔“ـــــ صدر نے اسے اجازت دیتے ہوئے کہا اور فریدی سیلوٹ کر کے کمرے سے باہر نکل آیا۔

حملہ آوروں نے کیپٹن حمید کو پارک کے باہر کھڑی ہوئی ایک بڑی سی سپورٹس کار میں بٹھا دیا اور پھر کار تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی۔ لیکن اس سے پہلے انہوں نے قاسم کو کلوروفارم سے تر رومال کے ذریعے بے ہوش کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ گرانڈیل قاسم وہیں پارک میں بے ہوش پڑا رہا اور حملہ آور حمید کو لے کر چل دیئے۔ سپورٹس کار مختلف سڑکوں سے گزرتی چلی جا رہی تھی۔ کیپٹن حمید کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی اور اس کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے تھے۔ یہ سب کچھ ریوالور کے زور پر ہوا تھا اور کیپٹن حمید گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ کار کافی دیر تک مختلف سڑکوں پر چلنے کے بعد رک گئی۔

کیپٹن حمید کو نیچے اتار دیا گیا اور پھر وہ اسے لے کر چلتے رہے۔ ایک جگہ روک کر اس کی آنکھوں سے پٹی اتار دی گئی۔ کیپٹن حمید نے آنکھیں ملیں اور پھر حیرت سے اس جگہ کو دیکھنے لگا۔ وہ ایک بہت بڑا

ہال تھا جس میں چاروں طرف مشینیں ہی مشینیں فٹ تھیں۔ متعدد نقاب پوش مختلف مشینوں کو آپریٹ کر رہے تھے۔ ہال میں مشینوں سے نکلنے والے شور کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں تھی۔ پھر ایک طویل القامت اور بھاری الجثہ نقاب پوش اس کی طرف بڑھا۔ حمید کے ساتھ آنے والوں نے اسے سیلوٹ کیا۔

”کیپٹن حمید جانتے ہو تم کہاں ہو۔“ ——— آنے والے نقاب پوش نے رعب دار آواز میں کہا۔

”مشینی جنت میں۔“ ——— کیپٹن حمید نے مطمئن انداز میں کہا اور نقاب پوش نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔

”ٹھیک ہے تم نے صحیح سوچا لیکن یہ جنت دوستوں کے لیے ہے دشمنوں کے لیے نہیں۔“

کیپٹن حمید خاموش رہا۔ وہ بغور ایک مشین کی طرف دیکھ رہا تھا جس کے اوپر لگی ہوئی بڑی سی سکرین پر دارالحکومت کے بازار نظر آ رہے تھے۔

”کیپٹن حمید کو روم نمبر تھری میں پہنچا دو۔“ ——— نقاب پوش نے حمید کے ساتھ آنے والے افراد سے کہا اور انہوں نے سر جھکا دیا اور پھر حمید ان کی رہنمائی میں اس ہال سے نکل کر اور مختلف کمروں سے ہوتا ہوا ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچا۔ جہاں سامنے دیوار پر ایک بہت بڑی سکرین فٹ تھی۔ کیپٹن حمید کو انہوں نے ایک کرسی سے اچھی طرح باندھ دیا اور پھر وہ خود کمرے سے باہر چلے گئے۔

چند لمحوں بعد وہی نقاب پوش اندر داخل ہوا۔ وہ سیدھا چلتا ہوا سکرین کے نیچے لگے ہوئے ایک چھوٹے سے ہینڈل کی طرف بڑھا اور پھر اس نے وہ ہینڈل گھما دیا۔سکرین روشن ہوگئی۔ وہ نقاب پوش واپس مڑا اور حمید کے بائیں رخ پر پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ کرسی کے سامنے ایک چھوٹی سی مشین رکھی ہوئی تھی۔

''دیکھو کیپٹن حمید تمہارے کرنل فریدی نے مجھے چیلنج کیا تھا۔اب اس کا حشر دیکھنا۔''۔۔۔۔۔۔نقاب پوش نے غراہٹ آمیز لہجے میں کہا۔سکرین پر اب دارالحکومت کا منظر نظر آ رہا تھا۔

''تو تم ٹرنٹولا ہو۔''۔۔۔۔۔۔ کیپٹن حمید نے چونک کر پوچھا۔

''تمہیں میرے نقاب پر بنی ہوئی مکڑی نظر نہیں آ رہی۔'' ٹرنٹولا نے سرد آواز میں کہا۔

اور کیپٹن حمید چونک کر خاموش ہوگیا۔ وہ ٹرنٹولا ہی تھا۔سکرین پر منظر تبدیل ہونے لگے۔ایسا محسوس ہوتا جیسے کیمرہ شہر کے بالکل اوپر فٹ کیا ہوا ہے اور پھر سکرین پر ایوان صدر صاف دکھائی دینے لگا۔ منظر بدلنے ہی والا تھا کہ ٹرنٹولا اپنے سامنے رکھی ہوئی میز کے ساتھ لگے ہوئے چھوٹے سے مائیکروفون پر چیخا۔

''دیکھو۔ دیکھو کیپٹن حمید کرنل فریدی ایوان صدر سے نکل رہا ہے۔'' اور منظر رک گیا۔

کیپٹن حمید نے دیکھا واقعی کرنل فریدی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ایوان صدر کے شیڈ کی طرف جا رہا تھا۔ پھر کرنل فریدی کا چہرہ کلوز اپ میں

آ گیا۔کیپٹن حمید حیران تھا کہ کرنل فریدی بغیر میک اپ کے کیسے ہیڈ کوارٹر سے باہر آ گیا۔

''تم سوچ رہے ہو گے کہ کرنل فریدی بغیر میک اپ کے کیوں نظر آ رہا ہے۔''۔۔۔۔۔۔ٹرنٹولا حمید سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

''وہ کوئی عورت ہے جو میک اپ کرے۔''۔۔۔۔۔۔ حمید نے کہا۔

''اب دیکھو۔''۔۔۔۔۔۔ٹرنٹولا نے مشین کا بٹن دبا دیا۔سکرین پر ایک جھماکا سا ہوا۔اب وہاں کرنل فریدی کی بجائے کوئی اور شخص جا رہا تھا۔

''دیکھو۔کرنل فریدی اس میک اپ میں ہے۔''

''تو۔تو۔''۔۔۔۔۔۔ کیپٹن حمید اب واقعی حیران تھا۔

''ہا ہا ہا۔ ٹرنٹولا عظیم قوت ہے اس کے سامنے میک اپ کی کیا وقعت ہے۔ یہ مشین میری اپنی ایجاد ہے۔ یہ فورتھ ریز کا کمال ہے جس کے سامنے کسی قسم کا میک اپ نہیں ٹھہر سکتا۔''۔۔۔۔۔۔اور پھر ٹرنٹولا نے بٹن دبا دیا۔اب کرنل فریدی اپنی اصل شکل میں کار میں بیٹھ رہا تھا۔

''لیکن یہ سب کچھ مجھے کیوں دکھا رہے ہو جبکہ میں نے ٹکٹ بھی نہیں خریدا۔''۔۔۔۔۔۔حمید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جتنا جی چاہے مسکرا لو۔ ابھی کرنل فریدی لاش میں تبدیل ہو جائے گا تو تمہاری مسکراہٹ دم توڑ دے گی۔''۔۔۔۔۔۔ٹرنٹولا نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''کرنل فریدی آسانی سے مرنے والا نہیں۔''۔۔۔۔۔۔حمید نے

سنجیدگی سے کہا۔

''میں اسے کسی بھی وقت چیونٹی کی طرح مسل سکتا ہوں۔'' ٹرنٹولا نے غرا کر کہا۔

اب کرنل فریدی کی کار تیزی سے مختلف سڑکوں سے گزر رہی تھی۔ منظر پر منظر تبدیل ہو رہے تھے۔ پھر کار ہوٹل تھری سٹار کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو گئی اور ٹرنٹولا اضطراری طور پر اٹھ کھڑا ہوا۔

''جیسے ہی یہ کار سے باہر نکلے اسے شوٹ کر دو۔'' ـــــ ٹرنٹولا نے مائیکروفون منہ سے لگاتے ہوئے کہا اور پھر غور سے سکرین کی طرف دیکھنے لگا۔

کرنل فریدی کی کار اب پارکنگ شیڈ میں رک چکی تھی۔ حمید کا چہرہ غصے کی وجہ سے سرخ ہو گیا تھا۔ ایک عجیب قسم کی بے چینی اس کے رگ و پے میں دوڑ رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی واقعی اتنی آسانی سے مارا جائے گا۔

اور پھر کرنل فریدی کار سے باہر نکل آیا۔ اس نے کار کا دروازہ لاک کیا۔ پھر مڑ کر ہوٹل کے مین گیٹ کی طرف بڑھا۔ حمید نے دیکھا کہ ایک شعلہ سا لپکا اور دوسرے لمحے کرنل فریدی لڑکھڑاتا ہوا فرش پر گر پڑا۔ حمید نے اضطراری طور پر اٹھنے کی کوشش کی لیکن کرسی سے بندھا ہونے کی وجہ سے اٹھ نہ سکا اور کمرہ ٹرنٹولا کے خوفناک قہقہے سے گونج اٹھا۔

لیکن دوسرے لمحے حمید کے چہرے پر قدرے اطمینان کے آثار نظر

آئے۔ جب اس نے دیکھا کہ کرنل فریدی فرش پر گرتے ہی قلابازی کھا کر ایک باڑ میں جا گرا۔ پھر دو تین شعلے لپکے اور فریدی جو باڑ کی آڑ میں نظر آ رہا تھا ایک بار پھر لڑکھڑایا۔ اس کے بائیں بازو سے خون نکلتا نظر آ رہا تھا۔ پہلی گولی اس کے بائیں بازو پر لگی تھی۔ اب دوسری گولی حمید نے صاف دیکھا کہ فریدی کی ران میں لگی تھی۔ حمید کا چہرہ جوش سے سرخ ہو گیا۔ اس نے اپنے بازو چھڑانے کی پوری کوشش کی لیکن رسی مضبوط تھی۔ اس لیے وہ پھڑپھڑا کر رہ گیا۔ اس نے دیکھا کہ اب دوسرے لوگ فریدی کی طرف بھاگ رہے تھے۔ پھر چند شعلے اور لپکے اور پھر دو تین آدمی اس نے گرتے دیکھے۔ مجرم اب شائد اندھا دھند گولیاں برسا رہے تھے۔ پھر فریدی اچھل کر ایک درخت کی آڑ میں ہو گیا۔

''فائرنگ بند کر دو۔'' ـــــ ٹرنٹولا اب صورت حال دیکھ کر چیخا اور پھر فائرنگ بند ہو گئی۔ کیونکہ پھر کوئی شعلہ نہ لپکا تھا۔ ٹرنٹولا نے مشین کا کوئی بٹن دبایا اور سکرین تاریک ہو گئی۔

سکرین کے تاریک ہوتے ہی کمرہ حمید کے زوردار قہقہے سے گونج اٹھا۔ ٹرنٹولا جو غصے سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک زوردار تھپڑ حمید کے چہرے پر مارا۔ تھپڑ واقعی زوردار تھا کیونکہ حمید کے چہرے پر انگلیوں کے نشان ابھر آئے تھے۔

''بزدل۔'' ـــــ حمید کے منہ سے نکلا۔ اسی لمحے ایک اور تھپڑ پڑا۔

"میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"۔۔۔۔ٹرنٹولا نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔

دروازہ کھلا اور ایک نقاب پوش اندر داخل ہوا۔

"تعاقب کا کیا نتیجہ رہا۔"۔۔۔۔ٹرنٹولا نے دھاڑتے ہوئے کہا۔

"سر فریدی بنک روڈ کی ایک کوٹھی میں گیا ہے۔"۔۔۔۔نقاب پوش نے کہا۔

"زیرو فور کی مشین سے اس کوٹھی کو تباہ کر دو۔"۔۔۔۔ٹرنٹولا نے چیختے ہوئے کہا۔ اور نقاب پوش سر جھکائے واپس مڑنے لگا۔

"ٹھہرو۔"۔۔۔۔ٹرنٹولا نے اسے حکم دیا۔ نقاب پوش رک گیا۔

"کیپٹن حمید کو سٹرانگ روم میں بند کر دو۔"۔۔۔۔ٹرنٹولا نے نفرت سے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔

اور نقاب پوش نے آگے بڑھ کر حمید کو کرسی سے کھولا اور جیب سے ریوالور نکال کر اس کی طرف کر دیا۔ حمید خاموشی سے نقاب پوش کے آگے چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔ مختلف کمروں سے گزرنے کے بعد وہ ایک کمرے میں پہنچا جس کی دیواریں اور چھت گہرے سیاہ رنگ کی تھیں۔ کمرے میں کسی قسم کا فرنیچر نہیں تھا۔ جو نقاب پوش اس کمرے کے باہر ڈیوٹی دے رہا تھا وہ بھی اندر آ گیا اور پھر حمید کو لے آنے والے نقاب پوش نے اس کے بازو بھی رسیوں سے آزاد کر دیئے اور پھر وہ کمرے سے باہر نکل آئے اور دروازہ بند ہو گیا۔ اس کمرے میں کوئی کھڑکی نہیں تھی۔ چھت پر ایک کم طاقت کا بلب جل رہا

تھا اور بائیں طرف کی دیوار پر چھت کے نزدیک ہوا کے لیے چھوٹے چھوٹے سوراخ موجود تھے۔ حمید کے ہاتھ اتنی دیر تک بندھے رہنے کی وجہ سے سن ہو گئے تھے۔ اس نے انہیں گردش دے کر ذرا گرم کیا اور پھر اس نے اپنی پینٹ اتارنی شروع کر دی۔ پینٹ اتار کر اس نے ایک طرف ڈال دی اور پھر بائیں پیر پر اس نے ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ ایک لمحے بعد اس نے سکن کلر کی جراب اتارنی شروع کی جو اس کے گھٹنے سے اوپر ران تک چڑھی ہوئی تھی۔ یہ فریدی کی نئی اور مخصوص ایجاد تھی۔ یہ جراب پلاسٹک کی بنی ہوئی تھی۔ اس کا کلر حمید کے جسم کے کلر کے بالکل مشابہ تھا اور اس پر باقاعدہ بال بھی موجود تھے۔ کوئی شخص اس کے نقلی ہونے کا گمان تک نہیں کر سکتا تھا۔ اب حالانکہ ٹرنٹولا کے آدمیوں نے اس کی مکمل تلاشی لی تھی اور اس کی گھڑی تک اتار لی تھی۔ لیکن وہ اس جراب کو محسوس نہ کر سکے تھے۔ جراب اتارنے کے بعد اس نے اس کی پشت پر پتلی ٹیپ کے ساتھ چپکا ہوا ایک بالکل چپٹا چھوٹا سا بکس اتار لیا پھر اس نے اس کی سائیڈ سے ایک باریک سی تار نکالی اور کمرے کے دوسرے کونے میں چلا گیا۔ اس نے بکس کے ایک کونے کو دبایا اور بکس کے ساتھ منہ لگا کر آہستہ آہستہ بولنے لگا۔

"ہیلو ہیلو کیپٹن حمید سپیکنگ۔ اوور۔"۔۔۔۔ایک لمحے بعد رابطہ قائم ہو گیا۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہارڈ سٹون۔ اوور۔"۔۔۔۔یہ فریدی تھا۔

حمید نے اسے مختصر الفاظ میں اپنی گرفتاری کے متعلق بتلایا اور پھر

اس مشین کے متعلق بھی بتلا دیا جس میں فورٹرم ریز استعمال کی جاتی تھیں جو میک اپ کے باوجود بھی اصلی شکل ظاہر کر دیتی تھی۔

"آپ زیادہ زخمی تو نہیں ہوئے۔ اوور۔" ـــــــ حمید نے پوچھا۔

"تھوڑا سا زخمی ہوا ہوں۔ ایک گولی بازو کا گوشت چیر گئی تھی۔ دوسری گولی گوشت کو قدرے چھیلتی ہوئی گزر گئی تھی۔ اوور۔"

"آپ بینک روڈ کی کوٹھی سے بول رہے ہیں۔ اوور۔" ـــــــ حمید نے پوچھا۔

"نہیں۔ اسے تباہ کر دیا گیا ہے۔ میں اس کی تباہی سے چند منٹ پہلے ہی وہاں سے چلا گیا تھا۔ اوور۔" ـــــــ فریدی نے جواب دیا۔

"تم اندازہ کر سکتے ہو کہ تم کہاں ہو۔اوور۔" ـــــــ فریدی نے پوچھا۔

"نہیں۔اوور۔" ـــــــ حمید نے جواب دیا۔

اچانک دروازے کے باہر کھٹکے کی آواز آئی۔ حمید نے جلدی سے اوور اینڈ آل کہہ کر ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔ اس نے پھرتی سے ٹرانسمیٹر دوبارہ ٹیپ کے ذریعے پنڈلی سے چپکا لیا اور وہ جراب پہننی شروع کر دی۔ چند منٹ بعد وہ جراب پہن چکا تھا اور پھر اس نے پینٹ بھی پہن لی لیکن دروازہ نہیں کھلا۔ کھٹکا شاید کسی چیز کے گرنے سے ہوا تھا۔

چند سال پہلے حمید کے مشورے سے قاسم نے ٹھیکیداری کا کام شروع کیا تھا۔ اب اس کا کام کامیابی سے چل نکلا اور اب تو وہ ایک تجربہ کار ٹھیکیدار بن چکا تھا۔ حمید کے مشورے پر جس چیز نے قاسم کو دلچسپی لینے پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ اپنے آفس میں خوبصورت لڑکیاں ملازم رکھ سکتا تھا۔ اب وہ اپنے دفتر میں بیٹھا تھا کہ منیجر گھبرایا ہوا آیا۔ اس کے ہاتھ میں آج کا اخبار تھا۔

"جناب ٹرنٹولا نے ٹھیکیداروں کو دھمکی دی ہے۔" ـــــــ منیجر نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا اور اس نے اخبار کی سرخی کی طرف اشارہ کیا اور اخبار قاسم کے آگے کر دیا۔ قاسم نے جیسے ہی خبر پڑھی اس کے چھکے چھوٹ گئے۔ وہ تھر تھر کانپنے لگا۔

"خدا غارت کرے اس ٹائم پیس کی اولاد کو مروا دیا۔" ـــــــ قاسم نے ٹرنٹولا کو کوسنا شروع کر دیا۔

"صاحب اب کیا ہوگا۔" ـــــ منیجر بھی اس اعلان سے سخت ہراساں تھا۔

"بیٹا ہوگا۔" ـــــ قاسم نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔

"لیکن۔" ـــــ منیجر نے اس کی جھنجلاہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے بات کرنے کی کوشش کی۔

"ابے کیا لیکن میکن لگا رکھی ہے۔ بند کرو یہ باپ دادا کی دکان۔" قاسم نے چیختے ہوئے کہا۔

"کون سی جناب۔" ـــــ منیجر نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"کیپٹن ہی تو ہے۔" ـــــ قاسم نے جسم کو لچکانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا اور منیجر اسے یوں دیکھنے لگا جیسے قاسم کا دماغ خراب ہو گیا ہو۔

"ابے اسی ٹھیکیداری کی بات کر رہا ہوں۔ کسی پان والی دکان کی بات نہیں کر رہا۔"

"لیکن جناب اتنے بہت سے ٹھیکے جن پر کام ہو رہا ہے۔ ان کا کیا ہوگا۔" ـــــ منیجر نے گھبراتے ہوئے کہا۔

"ابے لعنت بھیج ان ٹھیکیوں پر اور اس ٹھیکیداری پر۔ یہاں اپنی جان کے ہندو پڑے ہوئے ہیں۔"

"ہندو۔" ـــــ منیجر نے حیرت سے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

"ابے لالے بھی تو ہندوؤں کو ہی کہتے ہیں۔ اگر میں نے لالے کی بجائے ہندو کہہ دیا تو کیوں آنکھیں نکالنے لگے ہو۔" ـــــ قاسم نے

اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ قاسم نے برا سا منہ بناتے ہوئے رسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

"ہالو۔" ـــــ قاسم نے گرجدار آواز نکالی۔

"قاسم میں فریدی بول رہا ہوں۔" ـــــ دوسری طرف سے کرنل فریدی کی خشک آواز آئی اور قاسم یوں ٹھنڈا پڑ گیا جیسے آگ پر پانی پڑ گیا ہو۔

"جی جی۔ کرنل صاحب عرض کیجئے۔" ـــــ اس نے گھبراہٹ میں فرمانے کی بجائے عرض کیجئے کہہ دیا۔ قاسم فریدی سے بے حد مرعوب تھا۔ وہ اپنے باپ سے اتنا نہیں ڈرتا تھا جتنا فریدی سے۔

"حمید تمہیں کب ملا تھا۔" ـــــ فریدی نے اس کا فقرہ نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"جی ہوٹل تھری سٹار میں۔" ـــــ قاسم نے جلدی سے جواب دیا۔

"کب کی بات ہے۔"

"کل کی۔ کل یعنی پرسوں کی۔" ـــــ قاسم نے کچھ سوچتے ہوئے گڑبڑا کر کہا لیکن آپ کو کیسے پتہ چلا۔

"مجھے علم ہو گیا تھا۔" ـــــ فریدی نے گول مول بات کر دی۔

"جی ہاں جی ہاں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ علم گیب جانتے ہیں۔" قاسم نے موٹا سا سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"پوری تفصیل بتاؤ۔" ـــــ فریدی نے اس کی بات نظر انداز

کرتے ہوئے پوچھا اور قاسم نے پوری جزئیات کے ساتھ تفصیل بتا دی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ اور ہاں تمہاری ٹھیکیداری کا اب کیا حال ہے۔'' فریدی نے تفصیل سننے کے بعد کہا۔ اس کی آواز میں ہلکی سی ہنسی نمایاں تھی۔

''میں نے سالی ٹھیکیداری پر لعنت بھیج دی ہے کرنل صاحب۔ اس سالے ٹائم پیس کی اولاد یعنی میرا مطلب ہے ٹرنٹولا نے جو دھمکی دی ہے۔'' ـــــ قاسم نے ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ دیا۔

''کیوں تم ٹھیکوں میں بے ایمانی کرتے ہو۔'' ـــــ فریدی کا لہجہ قدرے سرد تھا۔

''جی ہاں۔ نہیں نہیں کرنل صاحب۔'' ـــــ قاسم گڑبڑا سا گیا۔ پھر فوراً ہی بولا۔

''ہی ہی کرنل صاحب آپ کو پتہ ہے ٹھیکیداری میں سب چلتا ہے۔''

''تو پھر اچھا کیا جو ٹھیکیداری چھوڑ دی ورنہ ٹرنٹولا گولی مار دیتا۔'' فریدی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''جی ہاں لیکن کرنل صاحب آپ سالے ٹرنٹولا کو پکڑ کیوں نہیں لیتے۔'' ـــــ قاسم نے اشتیاق سے کہا۔

''اگر پکڑ لوں تو تم پھر ٹھیکیداری میں بے ایمانی کرنے لگو گے۔'' فریدی شاید مذاق کے موڈ میں تھا۔

فریدی کا مزاج ہی کچھ ایسا تھا۔ وہ عام طور پر انتہائی سنجیدہ تھا لیکن کبھی کبھی اس پر مذاق کا موڈ بھی طاری ہو جاتا اور عموماً یہ ایسے موقعوں پر ہوتا تھا جبکہ حالات انتہائی سنجیدہ اور نازک ہوں۔

''خدا قسم کرنل صاحب میں کان نچڑتا ہوں کہ بے ایمانی نہیں کروں گا۔'' ـــــ قاسم نے فوراً رسیور چھوڑ کر دونوں ہاتھوں سے کان پکڑ لئے اور پھر دوبارہ کانوں سے لگا لیا۔

''ہالو کرنل صاحب۔'' ـــــ لیکن دوسری طرف فریدی رسیور رکھ چکا تھا۔ مینجر اس کی حالت پر منہ پھیرے ہنس رہا تھا۔

قاسم تھوڑی دیر ہالو ہالو کرتا رہا لیکن جب دوسری طرف سے کوئی آواز سنائی نہ دی تو غصے میں آ کر زور سے رسیور کریڈل پر دے مارا اور مینجر کی طرف دیکھے بغیر غصے سے بڑبڑاتا ہوا آفس سے باہر نکل گیا۔ کار کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھولا اور پھر دوسرے لمحے کار تیزی سے سڑک پر دوڑنے لگی۔ تھوڑی دور جانے کے بعد اچانک اس نے ایکسیلیٹر پر پیر کا دباؤ کم کر دیا۔ گاڑی آہستہ ہو گئی۔ وہ غور سے سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے نوجوان کو دیکھ رہا تھا۔ اب اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے گاڑی سڑک کی سائیڈ میں روک لی تھی اور کھڑکی سے سر نکال کر پیچھے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ اس نوجوان کو پہچان چکا تھا۔ یہ وہی نوجوان تھا جس نے نیشنل پارک میں حمید کی کمر سے ریوالور اگایا تھا۔ اب اس کی جاسوسیت کی رگ پھڑک اٹھی۔

''سالے اب دیکھتا ہوں تو کہاں جاتا ہے۔'' ـــــ اس نے

بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ اتنے میں وہ نوجوان ایک ٹیکسی میں بیٹھ چکا تھا۔ ٹیکسی اس کی کار کی طرف تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ پھر دوسرے لمحے وہ اس کی کار کو کراس کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ قاسم حمید کی صحبت میں رہ کر تعاقب کرنے کا طریقہ سیکھ چکا تھا۔ اس لیے ایک منٹ تک خاموش بیٹھا رہا اور پھر اس نے کار سٹارٹ کر لی۔ اب اس کی کار اس ٹیکسی کے پیچھے دوڑ رہی تھی۔ ٹیکسی اور اس کی کار کے درمیان اب ایک اور کار تھی۔ مختلف سڑکوں پر سے گزرنے کے بعد ٹیکسی تھری سٹار ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں مڑ گئی۔ قاسم کی کار بھی اس کے پیچھے ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں چلی گئی اور پھر چند لمحے بعد قاسم اس نوجوان کے پیچھے ہوٹل کے ہال میں داخل ہو گیا۔ وہ نوجوان تیز تیز چلتا ہوا سیدھا لفٹ میں داخل ہو گیا۔ قاسم جیسے ہی قریب پہنچا لفٹ کا دروازہ بند ہو گیا۔ وہ بے بسی سے دیکھتا رہا لیکن پھر اسے خیال آیا اور وہ تیزی سے دوسری لفٹ کی طرف بڑھا۔ ہوٹل میں دو لفٹیں کام کرتی تھیں۔ وہ دوسری لفٹ میں داخل ہوا تو دروازہ بند ہو گیا۔ لفٹ بوائے نے سوالیہ انداز میں قاسم کی طرف دیکھا۔

”ابے جدھر وہ گیا ہے ادھر لے چل۔“ ـــــ قاسم نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”وہ کون۔“ ـــــ لفٹ بوائے حیرت سے بولا۔

”تمہارا باپ۔ ابے اب چلا بھی اس کو یا میرا منہ دیکھتا رہے گا۔“ قاسم نے آنکھیں نکالیں۔

اور لفٹ بوائے نے سمجھا کہ کوئی سر پھرا کریک ہے۔ اس نے گھبرا کر پانچویں منزل کا بٹن دبا دیا۔

لفٹ تیزی سے اوپر جانے لگی اور پھر پانچویں منزل پر جا کر رک گئی۔ دروازہ کھلا اور قاسم باہر نکل آیا۔ لفٹ واپس چلی گئی۔ قاسم نے گیلری میں نظریں دوڑانی شروع کیں۔ مختلف لوگ آ جا رہے تھے۔ وہ نوجوان قاسم کو کہیں نظر نہیں آیا۔ قاسم اب پریشان سا ہو گیا۔ اچانک اس کی نظر ایک دروازے پر پڑی جو تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ نوجوان اسی دروازے سے گزرا ہو گا ورنہ دروازہ بند ہوتا۔ وہ بغیر سوچے سمجھے اس کمرے کی طرف بڑھ اور دوسرے لمحے اس نے دروازہ پورا کھول دیا۔ کمرہ خالی تھا وہ اندر گھس گیا اور پھر اس نے کمرے میں ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا۔ اس نے گلدان اٹھا کر دیکھا۔ دیواروں کے ساتھ لگی ہوئی تصویریں اٹھا اٹھا کر ان کے پیچھے دیکھنے لگا۔ اس نے دراصل ایک جاسوسی فلم میں ہیرو کو اس طرح کرتے دیکھا تھا۔ پھر وہ باتھ روم کی طرف بڑھا۔ باتھ روم بھی خالی پڑا تھا۔ اچانک اس کی نظر کونے میں پڑے ہوئے سگریٹ پر پڑی جو اب بھی سلگ رہا تھا۔ قاسم کے دماغ میں ایک برق سی لہرائی۔ وہ سمجھ گیا کہ کوئی شخص ابھی یہاں موجود تھا۔ چنانچہ اس نے غور سے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھا اور پھر کچھ نہ پا کر قدرے مایوسی کے عالم میں باتھ روم سے نکلنے لگا تھا کہ ایک ہلکی سی کھٹک کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو فلش کی ٹینکی اپنی جگہ سے ہٹ رہی تھی۔ وہ

ڈر سا گیا اور ایک بار پھر خوف کے سائے اس کے ذہن میں رینگنے لگے تو وہ اس پر چھاتے ہی چلے گئے۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔

''ٹھہرو۔''______ اچانک ایک کرخت آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی اور غیر اختیاری طور پر اس کے قدم رک گئے۔ وہ دروازے کے درمیان کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

''اندر آؤ ورنہ گولی مار دوں گا۔''______ وہی آواز اس کے کانوں سے ایک بار پھر ٹکرائی اور گولی کا لفظ سن کر اس کا چہرہ فق ہو گیا۔

وہ تیزی سے مڑا اور پھر کمرے میں داخل ہو گیا۔ سامنے وہی نوجوان کھڑا تھا۔ جس کے تعاقب میں وہ یہاں تک پہنچا تھا۔ اب اسے اتفاق کہیے یا کچھ اور کہ وہ بھی نادانستگی میں اسی کمرے تک آ پہنچا تھا۔ اس نوجوان کے ہاتھ میں ریوالور چمک رہا تھا۔

''دروازہ بند کر دو۔''______ نوجوان نے حکم دیا اور قاسم نے خاموشی سے دروازہ بند کر دیا۔

اس کا چہرہ ریوالور کے خوف سے بگڑ گیا تھا۔ اتنا بڑا جسم اور ایک چھوٹے سے ہتھیار کے سامنے بے بس تھا اور قاسم جتنا ریوالور سے ڈرتا تھا اتنا کسی سے نہ ڈرتا تھا۔ وہ شیروں سے لڑ سکتا تھا، ہاتھی کو پچھاڑ سکتا تھا لیکن جہاں اسے ریوالور نظر آیا اس کی سٹی گم ہو جاتی تھی۔

''اس کمرے میں کیوں داخل ہوئے تھے۔''______ اس نے کڑک کر پوچھا۔

''بب بھائی صاحب کمرہ دیکھ رہا تھا۔''______ قاسم نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''تم میرے پیچھے ہوٹل میں داخل ہوئے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ تم میرا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہو۔''______ نوجوان نے غراتے ہوئے کہا۔

''جج جج جی ہاں۔''______ قاسم نے بے اختیار سچ بول دیا۔

''ہوں۔ تو چلو باتھ روم میں۔''______ نوجوان نے ریوالور کے ٹریگر پر انگلی رکھتے ہوئے کہا اور قاسم کی روح فنا ہو گئی۔ وہ باتھ روم کے دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر رک گیا۔

''لیکن بھائی صاحب میں گھر سے تو نہا کر آیا تھا۔''______ اس نے معصومیت سے کہا اور نوجوان مسکرا دیا۔

''چلو اب اگر رکے تو گولی مار دوں گا۔''______ اس نے دھمکی دی اور قاسم حیرت اور خوف سے سر جھکاتا ہوا باتھ روم میں داخل ہو گیا۔ اس کے پیچھے وہ نوجوان بھی آ گیا۔ اس نے باتھ روم کا دروازہ بند کر دیا اور پھر قاسم کو حکم دیا۔

''دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔''______ اور قاسم دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ اس نے جیسے نہ بولنے کی قسم کھا لی ہو۔

اس نوجوان نے پھرتی سے ٹینکی کی زنجیر کو دو دفعہ کھینچا اور پھر ٹینکی کے نیچے ہاتھ ڈال دیا۔ ایک ہلکا سا کھٹکا ہوا اور پھر اس نے زنجیر کو

دوبارہ کھینچا۔ ٹینکی والی جگہ گھوم گئی اور ایک دروازہ سا بن گیا۔

''چلو اس کے اندر داخل ہو جاؤ''۔۔۔۔۔ اس نوجوان نے قاسم کو حکم دیتے ہوئے کہا اور قاسم خاموشی سے اس دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ قدرے چھوٹا تھا۔ اس لیے قاسم بڑی مشکل سے اس میں سے گزرا۔ آگے ایک اور کمرہ تھا۔ وہ نوجوان اندر داخل ہو گیا اور پھر اس نے آگے بڑھ کر سامنے والی دیوار میں لگا ہوا بٹن دبانا چاہا اور پھر قاسم اچانک وہ کر گزرا جس کی اس سے قطعی امید نہ تھی۔ وہ نوجوان چونکہ قاسم کے آگے آ گیا تھا۔ ایسا اس نے شاید اس لیے کیا تھا کہ قاسم کی بے ضرری کا اسے یقین سا ہو گیا تھا۔ چنانچہ اچانک قاسم نے پیچھے سے اس کا وہ ہاتھ پکڑ لیا جس میں ریوالور تھا۔ وہ نوجوان غرا کر پلٹا لیکن گرفت قاسم کی تھی جو کسی آکٹوپس کی گرفت سے کم نہ تھی۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے نوجوان کی گردن پکڑ لی اور ہلکے سے جو دباؤ ڈالا تو ریوالور نوجوان کے ہاتھ سے گر پڑا۔ ادھر اس کا گلا گھٹنے لگا۔ اس نے زور سے دوسرے ہاتھ کا مکہ قاسم کے پیٹ میں مارا لیکن قاسم پر اس کا کیا اثر ہونا تھا۔ وہ گلا دباتا چلا گیا۔ چند لمحے بعد اس نوجوان نے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ اس کی آنکھیں باہر ابل آئی تھیں۔ زبان لٹک گئی تھی۔ وہ دم گھٹنے کی وجہ سے مر چکا تھا۔ قاسم نے جھٹکے سے اسے پھینک دیا۔

''ارے باپ رے باپ یہ تو سالا مر گیا''۔۔۔۔۔ اور پھر اس کی آنکھوں کے سامنے پھانسی کے تختے کا تصور آ گیا۔ وہ خوف کے

مارے زرد پڑ گیا۔ دوسرے لمحے وہ تیزی سے مڑا۔ دروازہ ابھی تک کھلا ہوا تھا۔ وہ دروازے سے گزر کر باتھ روم میں پہنچ گیا۔ وہ جیسے ہی باتھ روم میں پہنچا دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ اب اس جگہ ٹینکی تھی۔ قاسم پیچھے مڑے بغیر باتھ روم سے کمرے میں آ گیا اور پھر وہ لڑھکتا بھاگتا ہوا لفٹ کے ذریعے ہال میں پہنچ گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ آنکھیں خوف کے مارے ابلی ہوئی تھیں منہ کھلا ہوا تھا۔ وہ تیز تیز چلتا ہوا ہال سے باہر نکل گیا۔ پھر وہ تیر کی طرح اپنی کار کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ نجانے اس میں اتنی پھرتی کہاں سے آ گئی تھی۔ اس نے کار کا لاک کھولا اور پھر اس کی کار تیزی سے مختلف سڑکوں پر دوڑتی ہوئی عاصم مینشن کے کمپاؤنڈ میں مڑ گئی۔

قاسم کار سے اترا اور سیدھا اپنے بیڈ روم میں چلا گیا اور بستر پر لیٹا ہانپ رہا تھا۔ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی زور سے بجنے لگی۔ قاسم اچھل پڑا اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل آئے۔ وہ سمجھا پولیس والوں کا فون ہو گا۔ پھر گھنٹی بجتی رہی۔ آخر مرے مرے ہاتھوں سے اس نے رسیور اٹھا لیا۔

''ہالو''۔۔۔۔۔ قاسم نے کہا اور ساتھ ہی اس کی سسکی نکل گئی۔

''قاسم میں فریدی بول رہا ہوں''۔۔۔۔۔ دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔

''کرنل صاحب مجھے بچایئے۔ میں نے اسے جان بوجھ کر نہیں مارا تھا''۔۔۔۔۔ قاسم اب باقاعدہ ہچکیاں لے لے کر رونے لگا۔

”قاسم پورا واقعہ سناؤ۔“ ــــــ فریدی کی سنجیدہ آواز سنائی دی۔
فریدی نے شاید کسی اور کام کے لیے اسے فون کیا تھا۔ پھر وہ اپنی بات چھوڑ کر قاسم کی باتیں سننے لگا اور قاسم نے تفصیل سے پورا واقعہ سنا دیا۔

”قاسم فکر نہ کرو۔ تمہیں کوئی نہیں پکڑ سکے گا۔ میرا آدمی ابھی کار لے کر تمہاری کوٹھی پر پہنچ رہا ہے۔ سرخ رنگ کی کار ہو گی۔ تم اس کار میں میرے پاس فوراً پہنچ جاؤ۔ ہرگز دیر نہ کرنا ورنہ میں تمہیں نہیں بچا سکوں گا۔“

”بہت اچھا کرنل صاحب۔ آپ کا شکریہ۔“ ــــــ قاسم نے قدرے مطمئن ہوتے ہوئے کہا۔

اس نے ریسیور رکھ دیا اور پھر وہ کمپاؤنڈ کی طرف چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد سرخ رنگ کی ایک کار وہاں پہنچی اور وہ قاسم کو لے کر مختلف سڑکوں سے گزرتی ہوئی ایک چھوٹی سی کوٹھی میں داخل ہوگئی۔ فریدی وہاں موجود تھا۔ وہ اسے لے کر اندر چلا گیا۔

”تمہیں یقین ہے کہ وہ وہی نوجوان تھا جس نے حمید کو اغوا کیا تھا۔“ ــــــ فریدی نے اس سے پوچھا۔

”جج جج جی ہاں مجھے پوری طرح یقین ہے۔“ ــــــ قاسم نے کہا۔

”تمہیں کمرے کا نمبر یاد ہے۔“ ــــــ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں کرنل صاحب۔ میں نے نمبر دیکھا نہیں۔“ ــــــ قاسم نے

کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”اس کی کوئی نشانی۔“

”بس دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔“ ــــــ قاسم نے معصومیت سے کہا اور فریدی مسکرا دیا۔

”اور کوئی نشانی بتاؤ۔“ ــــــ فریدی نے پوچھا اور قاسم سوچ میں پڑ گیا۔ چند لمحے تک وہ سوچتا رہا۔ پھر اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔

”یاد آ گیا اس کا ہینڈل تھوڑا سا ٹوٹا ہوا تھا۔ میں نے جب دروازہ کھولنے کے لیے اس پر ہاتھ رکھا تو مجھے وہ چبھا تھا۔ اس وقت تو سوچا نہیں اب سوچ رہا ہوں۔“

”یہی کافی ہے۔ میں باہر جا رہا ہوں۔ جب تک میں نہ آؤں تم یہیں رہنا۔ اگر تم باہر نکلے تو پھر میں پولیس والوں سے تمہیں نہیں بچا سکوں گا۔“ ــــــ فریدی نے سنجیدگی سے اسے کہا۔

”بہت اچھا کرنل صاحب۔ میں ساری عمر یہیں رہوں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔“ ــــــ قاسم نے معصومیت سے کہا اور فریدی مسکراتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

کرنل فریدی کی کار ہوٹل تھری سٹار کے پارکنگ شیڈ میں آ کر رک گئی۔ فریدی اس وقت ایک خصوصی میک اپ میں تھا۔وہ کار سے باہر نکلا۔ دو دن پہلے اس جگہ اس پر قاتلانہ حملہ کیا گیا تھا۔ حالانکہ وہ اس وقت بھی میک اپ میں تھا لیکن مجرموں نے اسے پہچان لیا تھا۔ گو وہ زخمی ہو گیا تھا لیکن اسے اپنے زخموں سے زیادہ اس چیز نے پریشان کر دیا تھا کہ مجرموں نے اسے میک اپ کے باوجود کیسے پہچانا کیونکہ فریدی میک اپ میں بدرجہ اتم مہارت رکھتا تھا لیکن اس کی مشکل حمید نے ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم کر کے حل کر دی تھی۔ اسے علم ہو گیا تھا کہ ٹرنٹولا کے پاس ایسی جدید ترین مشین موجود ہے جو فضا میں موجود ایتھر کی ہیلن 22 کو فورٹم ریز میں تبدیل کر دیتی ہے اور میک اپ کے سامان کا لازمی جزو ہیلن 22 پر جب یہ فورٹم ریز پڑتی ہیں تو نیلگوں کلر کے بائی لینز کے ذریعے تصویر کھینچی جاتی ہے۔ اس میں میک اپ

غائب ہو جاتا ہے اور اصلی شکل سکرین پر آ جاتی ہے۔ یہ ریز ہنگری کے ایک سائنسدان فورٹم نے دریافت کی تھیں۔ اس لیے ان ریز کا نام فورٹم ریز رکھا گیا تھا۔اس نے اس قسم کی مشین بنانے کا اعلان کیا تھا لیکن مشین بنانے سے پہلے اسے قتل کر دیا گیا تھا۔ اب یہ مشین ٹرنٹولا نے بنا لی تھی۔

فریدی نے حمید سے فورٹم ریز کا حوالہ ملتے ہی اپنی لائبریری سے فورٹم ریز کی مکمل رپورٹ نکالی اور اسے تمام تفصیلات کا علم ہو گیا۔ فورٹم نے اس کے بارے میں بھی اپنی رپورٹ میں مکمل بحث کی تھی۔ اس نے لکھا تھا کہ اگر میک اپ کے سامان میں ہیلن 22 جز کی بجائے 20 استعمال کیا جائے تو فورٹم ریز بے کار ہو جاتی ہے۔ یہی چیز فریدی کے لیے اہم تھی۔اس نے میک اپ کا سامان تیار کرنے والی ایک فرم سے میک اپ کا ایسا سامان تیار کرایا جس میں ہیلن 20 استعمال کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس وقت وہ اسی مخصوص میک اپ میں تھا۔ اس لیے بے فکر تھا کہ ٹرنٹولا کی فورٹم مشین اس کی اصلی صورت ظاہر نہیں کر سکے گی۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ہوٹل میں داخل ہو گیا اور پھر سیدھا لفٹ کی طرف بڑھا۔ لفٹ بوائے نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”پانچویں منزل۔“ ——— فریدی نے آہستہ سے کہا۔

اور لفٹ بوائے نے پانچویں منزل کا بٹن دبا دیا۔ چند لمحوں کے بعد لفٹ پانچویں منزل پر رک گئی۔ دروازہ کھلا اور فریدی باہر نکل آیا۔ لفٹ واپس چلی گئی۔

فریدی آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا گیلری میں بڑھا۔ وہ گیلری میں موجود کمروں کے دروازوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ 105 نمبر کمرے کا ہینڈل قدرے ٹوٹا ہوا تھا۔ باقی سب کمروں کے ہینڈل صحیح تھے۔ فریدی کو یقین ہو گیا کہ یہی کمرہ ہے۔اس نے دروازے کو ہاتھ سے دبایا لیکن دروازہ بند تھا۔ اس نے جیب سے ماسٹر کی نکال کر تالے میں ڈال دی۔ وہ اس اطمینان سے کام کر رہا تھا جیسے اس کمرے کا مالک وہی ہو۔ گیلری میں سے گزرنے والے دوسرے افراد اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر آ جا رہے تھے۔ فریدی نے ماسٹر کی کو گھمایا۔ ایک کھٹک کی آواز آئی لیکن دروازہ پھر بھی نہ کھلا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ اس میں ڈبل لاک سسٹم ہے۔ چنانچہ اس نے چابی نکالی اور پھر جیب سے ایک باریک سی تار نکال کر تالے میں ڈالی۔ ایک لمحے تک وہ اسے ادھر ادھر گھماتا رہا۔ دوسرے لمحے ایک اور کھٹک کی آواز آئی اور دروازہ کھل گیا۔فریدی نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا لیکن کمرہ خالی تھا۔ وہ کمرے میں چلا گیا۔ دروازہ اس نے بند کر دیا۔ کمرے میں ادھر ادھر نظر دوڑانے کے بعد وہ باتھ روم کی طرف بڑھا۔ باتھ روم خالی تھا۔قاسم کے بیان کے مطابق اس کے ہاتھوں مرنے والے نوجوان نے ٹینکی کی زنجیر کو دو دفعہ کھینچا تھا تو ٹینکی اپنی جگہ سے ہٹ گئی تھی۔ فریدی نے بھی ایسا ہی کیا لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ وہ تھوڑی دیر تک غور کرتا رہا۔ پھر اس نے ٹینکی کا ڈھکن ہٹا کر اس میں ہاتھ ڈالا۔ اس کا ہاتھ ٹینکی کے اندر لگے ہوئے ایک چھوٹے سے بٹن پر پڑا۔ اس نے اسے

دبا دیا۔ ایک کھٹکے کی آواز آئی لیکن اب بھی ٹینکی اپنی جگہ موجود تھی۔ فریدی حیران تھا کہ چکر کیا ہے۔ اس نے ایک بار پھر ٹینکی کو بغور دیکھنا شروع کر دیا۔لیکن بظاہر ایسی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی جس سے وہ کوئی سراغ لگا سکتا۔ اس نے تنگ آ کر زنجیر کو دوبارہ کھینچنا شروع کر دیا۔ جیسے ہی اس نے زنجیر کو دوبارہ کھینچا ٹینکی والی دیوار آدھی گھوم گئی۔ دیوار میں دروازہ بن گیا۔

فریدی اب سمجھا کہ قاسم نے جب مجرم کو زنجیر کھینچتے دیکھا تھا تو وہ دوبارہ کھینچ رہا تھا۔ فریدی دروازے سے اندر چلا گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ کمرے کے سامنے والی دیوار میں اوپر تلے دو بٹن لگے ہوئے تھے۔فریدی نے اوپر والا بٹن دبا دیا۔ دروازہ دوبارہ بند ہو گیا۔ فریدی نے نیچے والا بٹن دبایا تو دروازہ کھل گیا۔ فریدی سارا میکنزم سمجھ گیا۔ اب وہ حیران تھا کہ اس کمرے کا کیا کرے۔ اس میں ایک دروازہ تھا لیکن وہ بند تھا۔ ہزار کوششوں کے باوجود فریدی دروازہ نہ کھول سکا۔اس نے کمرے کی دیواروں پر مکے مارنے شروع کر دیئے لیکن بے سود۔ آخر اس نے دروازے کے ہینڈل پر دوبارہ زورآزمائی کی اچانک ہینڈل دائیں طرف گھوم گیا اور دوسرے لمحے اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کمرہ نیچے جا رہا ہے۔وہ سمجھ گیا کہ یہ کمرہ لفٹ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔چند لمحوں بعد کمرہ رک گیا اور دروازہ کھل گیا۔ اس نے کھلے ہوئے دروازے سے باہر جھانکا تو ایک اچھا خاصا وسیع کمرہ تھا جس میں ایک میز اور اس کے گرد چند کرسیاں موجود تھیں۔کمرہ خالی تھا

اس لیے وہ بلا جھجک کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کمرے سے ہوتا ہوا وہ ایک گیلری میں نکل آیا۔ وہ اچھی طرح سمجھ گیا کہ نوجوان کی لاش ملنے پر مجرم پوری طرح چوکنے ہوں گے لیکن ٹرنٹولا کے اڈے میں گھسنے کے لیے اس نے ہر قسم کا رسک لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ گیلری میں چلتا رہا۔ ایک دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ اس نے اسے اور زیادہ کھولا اور جھانکا تو یہ کمرہ بھی خالی تھا۔ معاملہ کچھ پراسرار ہی تھا۔ سارے کمرے خالی تھے۔ کیا مجرم یہ اڈا خالی کر گئے ہیں۔ وہ اس کمرے میں داخل ہو گیا لیکن جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوا دروازہ خود بخود بند ہو گیا اور ساتھ ہی کمرہ زوردار قہقہوں سے گونج اٹھا۔ فریدی ٹھٹھک گیا۔ اس نے مڑ کر دروازے پر زور آزمائی کی لیکن دروازہ انتہائی مضبوط تھا۔

"تم چوہے دان میں پھنس چکے ہو مسٹر۔"_____ایک بھیانک آواز فریدی کے کانوں سے ٹکرائی لیکن وہ خاموش رہا۔

"ہمیں علم تھا کہ وکٹر کے مرنے کے بعد یہاں کوئی نہ کوئی ضرور آئے گا اور پھر جیسے ہی تم اوپر والے کمرے میں داخل ہوئے تھے تمہاری ایک ایک حرکت ہماری نظر میں تھی۔ اب تم بتاؤ کہ تم کون ہو۔" آنے والی آواز اور زیادہ بھیانک ہو گئی۔

"جب تک میرے سامنے نہیں آؤ گے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔" فریدی نے اطمینان سے کہا۔

"جو میں کہوں تمہیں وہی کرنا پڑے گا۔"

"جلدی بتاؤ تم کون ہو۔"_____آواز میں غراہٹ بڑھ گئی۔

"جو کر سکتے ہو کر لو۔ میں نے ایک بار کہہ دیا ہے کہ جب تک تم سامنے نہیں آؤ گے کچھ نہیں بتاؤں گا۔"_____فریدی کا لہجہ اعتماد سے بھرپور تھا۔

"اچھا تو پھر تیار ہو جاؤ اب میں نہیں پوچھوں گا تم خود بتاؤ گے۔" نامعلوم آواز آئی۔

فریدی خاموشی سے کھڑا رہا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اچانک وہ اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔ اس کے پیروں کو شدید کرنٹ لگا تھا اور پھر سارے کمرے میں کرنٹ دوڑ گیا اور ساتھ ہی کرنٹ میں شدت آتی گئی۔ سارا کمرہ دراصل لوہے کی چادروں سے تیار کیا گیا تھا اور مجرم نے اس میں بجلی کی رو دوڑا دی تھی۔ فریدی بری طرح اچھل رہا تھا۔ کرنٹ اب اس کی برداشت سے باہر ہوتا جا رہا تھا۔ کمرہ اب قہقہوں سے گونج رہا تھا۔ فریدی کی حالت ہر لحظہ خراب ہوتی جا رہی تھی۔ کمرے میں کوئی ایسی چیز موجود نہ تھی جس میں کرنٹ نہ دوڑ رہا ہو۔ یہ تو ناممکن تھا کہ فریدی اس تکلیف سے گھبرا کر مجرم کا کہا مانا لیتا۔ چاہے اس کے لیے اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جاتی۔ اچانک اسے خیال آیا کہ اس کی جیب میں ربڑ کے دستانے موجود ہیں۔ اس نے کوٹ کی جیب ٹٹولی تو اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اندرونی جیب میں اسے ربڑ کے دستانے مل گئے۔ اس نے دستانے نکال کر فرش پر رکھ دیئے اور ان پر پیر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ کرنٹ لگنا رک گیا۔ اب کمرہ

فریدی کے قہقہے سے گونج رہا تھا۔

اچانک دروازہ کھلا اور دو نقاب پوش ٹامی گن اٹھائے اندر داخل ہوئے۔ کرنٹ شاید بند کر دیا گیا تھا۔ فریدی دستانوں سے نیچے اتر آیا۔ کرنٹ واقعی موجود نہیں تھا۔

ٹامی گن والوں نے اسے کور کر لیا اور پھر وہ ان کی رہنمائی میں کمرے سے باہر نکل گیا۔ مختلف کمروں سے گزرنے کے بعد وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں آ گیا۔ یہاں ایک قوی الجثہ نقاب پوش موجود تھا۔ اس کے نقاب پر سنہری رنگ میں ایک بڑی سی مکڑی بھی بنی ہوئی تھی۔ ایک ٹامی گن والے نے آگے بڑھ کر فریدی کی جیب سے ریوالور نکال لیا۔

''اسے کرسی پر باندھ دو۔''______نقاب پوش جو ٹرنٹولا تھا نے دوسرے نقاب پوش کو حکم دیا۔

فریدی نجانے کیا سوچ کر ابھی تک خاموش تھا۔ نقاب پوش نے اسے رسی کے ذریعے کرسی سے اچھی طرح جکڑ دیا۔

''ہاں اب بتاؤ کہ تم کون ہو۔''______ٹرنٹولا نے غراتے ہوئے کہا۔

''پہلے یہ بتاؤ کہ کیا تم ہی ٹرنٹولا ہو۔''______فریدی نے اطمینان سے پوچھا۔

ٹرنٹولا ایک لمحے کے لیے خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

''ہاں۔ میرا نام ہی ٹرنٹولا ہے۔ اب اپنے بارے میں بتاؤ۔''

''میں ایک پرائیویٹ جاسوس ہوں۔ سر قاسم نے میری خدمات اس نوجوان کی نادانستہ ہلاکت کے سلسلے میں حاصل کی ہیں۔''فریدی نے آہستہ سے کہا۔

''میرے ساتھ فراڈ مت کرو۔ مجھے علم ہے کہ اس ملک میں پرائیویٹ جاسوسی کا لائسنس نہیں دیا جاتا۔''______ٹرنٹولا نے غراتے ہوئے کہا۔

''ہر چیز قانون کے دائرے میں نہیں کی جاتی۔''______فریدی نے کہا۔

''اچھا چلو میں مان لیتا ہوں کہ تم صحیح کہہ رہے ہو۔ اب بتاؤ تمہیں کیا سزا دی جائے۔''

''جو مناسب سمجھو۔ اس وقت میں تمہارے بس میں ہوں۔''فریدی نے خود اعتمادی سے کہا۔

''ہوں۔ جیالے بھی ہو۔''______ٹرنٹولا نے فریدی کی خود اعتمادی سے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔

''جو سمجھ لو۔''______فریدی نے اسی لہجے میں کہا۔

''اسے گولی مار دو۔''______ٹرنٹولا کا لہجہ اچانک بدل گیا۔

فریدی کے پیچھے کھڑا ہوا ٹامی گن بردار نقاب پوش آگے بڑھا۔ وہ فریدی کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ ٹامی گن کا رخ اس نے فریدی کی طرف کر دیا جو خاموشی سے بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ نقاب پوش کی انگلی ٹریگر کی طرف بڑھی۔ اس نے ایک لمحے کے لیے فریدی کو غور سے

دیکھا۔فریدی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ایک منٹ تک دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ دوسرے لمحے ٹامی گن نقاب پوش کے ہاتھوں سے چھوٹ کر فرش پر آ گری۔نقاب پوش ابھی تک بے حس و حرکت کھڑا فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ٹرنٹولا یہ پوزیشن دیکھ کر گھبرا گیا۔

''کیا بات ہے۔ ٹامی گن کیوں پھینک دی۔''ــــــاس نے گرجتے ہوئے نقاب پوش سے پوچھا۔

''میں اگر چاہتا تو اس ٹامی گن کا رخ تمہاری طرف بھی ہوسکتا تھا ٹرنٹولا ''ــــــفریدی نے پروقار لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب۔ اوہ میں سمجھا تم نے اسے ہپناٹائز کر دیا ہے۔'' ٹرنٹولا نے غراتے ہوئے کہا۔

''کیا کرتا۔تم نے جو اسے گولی مارنے کا حکم دے دیا تھا۔''فریدی نے کہا۔

''میں تمہیں خود گولی مار سکتا ہوں۔''ــــــٹرنٹولا نے سخت لہجے میں کہا۔

''کوشش کر کے دیکھو۔''ــــــفریدی نے اطمینان سے کہا۔ اور ٹرنٹولا نے جیب سے ریوالور نکال لیا۔ اس کا رخ اس نے فریدی کی طرف کیا۔ اچانک کمرے کا دروازہ زور سے کھلا اور ایک نقاب پوش اندر داخل ہوا۔

''کیا بات ہے۔''ــــــٹرنٹولا نے دھاڑتے ہوئے کہا۔

''سر۔ ملک میں سول نافرمانی شروع ہو گئی ہے۔ چاروں طرف لوٹ مار اور غدر مچا ہوا ہے۔ صدر مملکت نے اعلیٰ حکام اور فوجی ہائی کمان کا ہنگامی اجلاس طلب کر لیا ہے۔''ــــــآنے والے نقاب پوش نے ٹرنٹولا کو اطلاع دیتے ہوئے کہا۔

''یہ تو بڑا اچھا ہوا۔''ــــــٹرنٹولا نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں اب اگر ایک اور دھمکی آپ موے دیں تو ہمارا مشن کامیاب ہو جائے گا۔''ــــــنقاب پوش نے اسے رائے دیتے ہوئے کہا۔شاید وہ ٹرنٹولا کے بعد سب سے سینئر تھا۔

''ہاں ٹھیک ہے۔ مائیکرو سیٹ لے آؤ۔ جلدی کرو۔''ــــــٹرنٹولا نے اسے حکم دیتے ہوئے کہا اور وہ پھرتی سے باہر چلا گیا۔

''لوٹ مار اور غدر سے تمہیں کیا فائدہ ہو گا۔''ــــــفریدی نے ایسے پوچھا جیسے کوئی عام سی بات ہو۔

''تم کیوں پوچھتے ہو۔''ــــــٹرنٹولا نے اسے ڈانٹ دیا۔

''چلو نہ بتاؤ کیا فرق پڑتا ہے۔ میں تو ویسے ہی پوچھ رہا تھا۔'' فریدی نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔تمہیں بتا دینے میں حرج ہی کیا ہے۔تم نے تو ابھی ہلاک ہو جانا ہے۔ یہ حسرت تو دل میں نہ لے جاؤ۔''ــــــٹرنٹولا کے لہجے سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔فریدی خاموش رہا۔

''سنو۔ میں تمہارے ملک کے ہر شعبے میں بربادی دیکھنا چاہتا ہوں۔مکمل بربادی۔میں نہیں چاہتا کہ یہ ملک اتنی ترقی کر لے کہ

میرے ملک کو آنکھیں دکھانا شروع کر دے اور آج میں سمجھتا ہوں کہ ملک تباہی کے اندھے غار کے دھانے پر کھڑا ہے۔ اب میری طرف سے اس کو آخری دھچکا لگے گا اور میرا مشن کامیاب ہو جائے گا۔'' ٹرنٹولا نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

''لیکن تم تو عوام کے خیرخواہ ہو اور اب تک تم نے جو کچھ کیا ہے وہ عوام کے فائدے کے لیے ہی کیا ہے۔'' ـــــ فریدی نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''ہا ہا ہا۔ یہی تو میری کامیابی ہے۔ اسی لئے تو کہتا ہوں کہ ٹرنٹولا عظیم ہے۔ تم نے دیکھا کہ بظاہر میرا ہر کام عوام کے فائدے کے لیے کیا ہے لیکن اس کا جو نتیجہ نکلا وہ تمہارے سامنے ہے۔'' ـــــ ٹرنٹولا نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''لیکن اس کے لیے اگر تم صرف حکومت تبدیل کرا دیتے تو تمہارا مقصد حل ہو جاتا۔ اتنا لمبا چوڑا کھڑاک پھیلانے کی کیا ضرورت تھی۔'' فریدی نے قدرے ناگواری سے کہا۔

''میری سکیم انتہائی جامع اور دور رس نتائج کی حامل ہے۔ اگر میں صرف ہنگامے کرا کر حکومت تبدیل کرا دیتا تو میرا مقصد حل نہ ہوتا اور نہ ہی اس حکومت کو عوام کی تائید حاصل ہوتی۔ اب میری سکیم کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ کاروبار تمام بند ہو گئے ہیں۔ ملک کو روزانہ اربوں روپے کا نقصان ہو رہا ہے۔ غیر ممالک میں ملک کی ساکھ گر چکی ہے۔ ملک اندرونی طور پر شدید خلفشار میں مبتلا ہے۔ مالی بحران ان دنوں میں اتنا

ہوا ہے کہ کم از کم یہ ملک دس سال تک نہیں سنبھل سکتا۔ انتظامی مشینری فیل ہو چکی ہے۔ اب موجودہ حکومت میری دھمکی سے مستعفی ہونے پر مجبور ہو جائے گی۔ فوج زیادہ دیر تک ملک کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں نہیں رکھ سکتی۔ چنانچہ ہمارے ملک کی مرضی کے مطابق جو حکومت قائم ہو گی ہم ایسے لوگوں کو حکومت دیں گے جو ہمارے ملک کے وفادار ہوں گے۔ نتیجہ جو ہم چاہیں گے وہی ہو گا۔ ایک طرح سے تمہارا ملک ہمارے ملک کا غلام بنا رہے گا۔'' ـــــ ٹرنٹولا نے جوش میں اسے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

اس دوران وہی نقاب پوش ایک چھوٹی سی مشین لا کر میز پر رکھ چکا تھا۔ ٹرنٹولا بات ختم کر کے اس مشین کی طرف بڑھا۔ اس نے بٹن دبایا۔ مشین میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ ٹرنٹولا نے مشین کے ساتھ لگے ہوئے ایک مائیک کو اٹھایا اور بولنا شروع کر دیا۔

''ٹرنٹولا آپ سے مخاطب ہے۔ ٹرنٹولا عظیم قوت ہے۔ ٹرنٹولا جو عوامی طاقت ہے۔ ٹرنٹولا جو عوام کے مفادات کا نگہبان ہے۔ حکومت ٹرنٹولا کے اقدامات سے گھبرا گئی ہے اور اسی لیے تشدد پر اتر آئی ہے اٹھو اور حکومت کا تختہ الٹ دو۔ ان خون چوسنے والی جونکوں کو پیروں تلے مسل ڈالو۔ اٹھو اور امراء کے محلوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دو۔ اب وقت آ گیا ہے کہ عوام اپنا حق چھین لیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ عوام اپنے اوپر ہونے والے ظلموں کا انتقام

لیں۔ ان سے انتقام لو بھیانک انتقام۔ ایسا خوف ناک انتقام کہ آئندہ کسی کو بھی عوام کا خون چوسنے کی جرأت نہ ہو۔ ان کو علم ہو جائے کہ عوام کتنی بڑی طاقت ہوتے ہیں۔ میں صدر مملکت کو حکم دیتا ہوں کہ وہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر استعفیٰ کا اعلان کر دیں ورنہ انہیں گولی مار دی جائے گی۔ یہ ٹرنٹولا کا حکم ہے۔ ٹرنٹولا سے ٹکرانا اپنی موت کو دعوت دینا ہے۔ ٹرنٹولا عظیم ہے۔ ٹرنٹولا عظیم ہے۔"

عوام کے مفادات کا نگہبان

ٹرنٹولا

اعلان کرنے کے بعد ٹرنٹولا نے مشین کا بٹن بند کر دیا لیکن جیسے ہی وہ مشین بند کر کے واپس مڑا۔ اچانک وہ لڑکھڑاتا ہوا فرش پر جا گرا۔ فریدی کی زوردار فلائنگ کک اس کے سینے پر پڑی تھی۔ اعلان کرتے ہوئے ٹرنٹولا اور اس کے دونوں ساتھیوں کی توجہ فریدی سے ہٹ گئی تھی۔ فریدی نے اس دوران اپنی ریسٹ واچ کے ونڈ بٹن کو دبایا تو اندر سے ایک چھوٹی سی تار نکل آئی۔ یہ تار جتنی باریک تھی اتنی ہی تیز تھی۔ اس تار کے ذریعے اس نے چند ہی لمحوں میں ہاتھوں کی رسیاں کاٹ لی تھیں۔ پھر باقی رسیاں کاٹنے میں اسے دیر نہ لگی۔ وہ اب تک موقعہ کی تلاش میں تھا کیونکہ رسیاں کاٹنے میں کچھ نہ کچھ تو حرکت کرنی پڑتی ہے۔ چنانچہ جیسے ہی ان کی توجہ ہٹی وہ اپنا کام کر گزرا۔ اس سے پہلے کہ دوسرے نقاب پوش اس اچانک افتاد سے سنبھلتے فریدی نے ایک

کو اٹھا کر دوسرے پر دے مارا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے اوپر فرش پر جا گرے۔ اس دوران ٹرنٹولا فرش سے اٹھ چکا تھا۔ اس نے جیب سے ریوالور نکالنا چاہا لیکن فریدی کی لات چلی اور ریوالور اڑتا ہوا کمرے کے کونے میں جا گرا۔ فریدی نے لپک کر ایک نقاب پوش کے ہاتھ سے ٹامی گن چھین لی۔ لیکن اسی لمحے ٹرنٹولا جس جگہ کھڑا تھا وہ جگہ زمین میں دھنس گئی اور جب فریدی سنبھلا ٹرنٹولا غائب ہو چکا تھا۔ فریدی نے جھنجھلاہٹ میں ٹامی گن کا ٹریگر دبا دیا۔ گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی اور وہ دونوں نقاب پوش فرش پر گر کر تڑپنے لگے۔ فریدی پھرتی سے باہر نکل آیا۔ گیلری میں اسے تین چار نقاب پوش اپنی طرف بڑھتے نظر آئے۔ ٹامی گن گرجی اور وہ سب ڈھیر ہو گئے۔ فریدی بھاگتا ہوا آگے بڑھا۔ اچانک ایک دروازہ کھلا اور ایک نقاب پوش باہر نکلا۔ ٹامی گن ایک بار پھر گرجی۔ وہ نقاب پوش ایک چیخ مار کر گرا۔ فریدی نے ٹامی گن کی نال سے دروازہ کھول دیا اور ٹریگر دبا دیا۔ اچانک مختلف چیخیں لہرائیں۔ فریدی اندر گھسا تو یہ ایک اچھا خاصا وسیع ہال تھا۔ اچانک ایک گولی چلی اور فریدی کے کان کے پاس سے گزر گئی۔ یہ ایک نقاب پوش تھا جو ایک مشین کی آڑ لے چکا تھا۔ فریدی نے بھی ایک مشین کی آڑ لے لی اور پھر دوسرے لمحے دونوں میں گولیوں کا تبادلہ ہونے لگا۔ اچانک فریدی کے منہ سے ایک زوردار چیخ نکلی اور دوسرا نقاب پوش خوشی کے مارے اچھل پڑا کہ اس نے فریدی کو مار گرایا ہے۔ جیسے ہی اس کا سر مشین سے اوپر ہوا فریدی نے فائرنگ کر دی

اور اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑ گئے۔وہ مری ہوئی چھپکلی کی طرح فرش پر جا گرا۔

فریدی نے اب مشینوں کی طرف نال کا رخ کر کے گولیاں چلا دیں۔ زور دار دھماکے ہوئے اور مشینیں ٹوٹ پھوٹ گئیں اور بعض پھٹ گئیں۔فریدی جھپٹ کر سامنے والے دروازے سے باہر نکل آیا۔ یہ ایک لمبی سی گیلری تھی۔ وہ اس میں بھاگتا چلا گیا۔

گیلری کے آخر میں ایک کمرہ تھا جو باہر سے متصل تھا۔ اس نے ایک ہی فائر سے تالا توڑ دیا۔اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھول کر فائرنگ شروع کر دیتا۔کیپٹن حمید کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

''یہ کیا پٹاخے چھوڑے جا رہے ہیں۔کیا شب برأت آ گئی ہے۔''

فریدی نے ٹریگر سے انگلی ہٹا لی اور زور سے کہا۔

''حمید جلدی کرو باہر نکلو۔ میں فریدی بول رہا ہوں۔''۔۔۔۔۔اور حمید لپک کر دروازے سے باہر نکل آیا۔

''جلدی کرو میرے پیچھے آؤ۔''۔۔۔۔۔فریدی نے آگے بھاگتے ہوئے کہا اور حمید اس کے پیچھے بھاگنے لگا۔

گیلری کے سامنے ایک دروازہ تھا جو کھلا ہوا تھا۔ وہ اس سے اندر داخل ہو گئے۔ یہاں بھی چاروں طرف مختلف قسم کی مشینیں فٹ تھیں لیکن ہال خالی تھا۔ فریدی آگے بھاگتا چلا گیا۔ ہال کے کونے میں ایک دروازہ تھا جو بند تھا۔ اس کی سائیڈ میں دیوار میں ایک چھوٹا سا بٹن تھا جس کا رنگ انتہائی سرخ تھا۔ ایسا ایک بٹن اس نے ٹرنٹولا کے

کمرے میں بھی دروازے کے پاس دیکھا تھا۔اس نے سوچا شاید یہ بٹن دروازہ کھولنے کے لیے ہے۔ اس نے جلدی سے بٹن دبا دیا۔ اچانک ان کے پیروں کے نیچے زمین لرزنے لگی۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ دونوں سنبھلتے ایک کان پھاڑ دھماکہ ہوا۔ انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے ان پر کوئی پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو۔ دونوں کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے نیچے ہی نیچے گرتے چلے جا رہے ہوں۔

ٹرنٹولا کا اعلان سنتے ہی عوام کے جذبات اور زیادہ بھڑک اٹھے۔ ہنگاموں اور لوٹ مار میں شدت آ گئی۔ دارالخلافہ میں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ سارے شہر میں گولیاں چلنے کی آوازیں آنے لگیں۔ لوگ دھڑا دھڑ مرنے لگے۔ شہر میں موت کی سی ویرانی چھا گئی۔ اچانک ہوٹل تھری سٹار کی عمارت میں زوردار دھماکہ ہوا اور پھر دھماکے پر دھماکے ہوتے چلے گئے۔ ہوٹل کی عظیم الشان عمارت ملبے کا ڈھیر بن کر زمین پر آ رہی۔ اس ہوٹل میں موجود سینکڑوں لوگ ملبے میں دب کر ہلاک و زخمی ہوئے۔ فوج اور پولیس کی امدادی ٹیمیں ملبہ ہٹا کر لوگوں کو نکالنے لگیں۔ اس کام میں بارہ گھنٹے لگ گئے۔ زخمی ہونے والوں کو ہسپتال پہنچا دیا گیا تھا اور انہی میں فریدی اور حمید بھی شامل تھے۔ ان کو بظاہر زیادہ چوٹیں نہیں آئی تھیں کیونکہ وہ ایک فولادی میز کے نیچے پڑے ہوئے تھے۔ میز کے اوپر آہنی شہتیر پڑا ہوا تھا۔ جس نے تمام ملبہ روک

لیا تھا۔

ہسپتال پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد کرنل فریدی کو ہوش آ گیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھا ابھی تک اس کے کانوں میں دھماکے کی بازگشت گونج رہی تھی۔ ایک لمحے تک وہ سمجھ نہیں سکا کہ وہ کہاں ہے۔ اور کیا ہو رہا ہے۔ پھر اس کا ذہن جاگنے لگا اور جیسے ہی اسے محسوس ہوا کہ وہ ہسپتال میں ہے اور بظاہر صحیح سلامت ہے وہ پھرتی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ڈاکٹر اسے اٹھتا دیکھ کر اس کی طرف بھاگے۔ وہ اسے پکڑ کر دوبارہ بیڈ پر لٹانا چاہتے تھے۔

"ہٹو۔ مجھے مت پکڑو۔" ——— فریدی نے غصے سے دھاڑتے ہوئے کہا۔

"لیٹ جاؤ۔ تمہیں آرام کی اشد ضرورت ہے۔" ——— ایک ڈاکٹر نے سختی سے کہا۔

فریدی نے بے اختیار جیبیں ٹٹولنی شروع کر دیں۔ پھر جیب سے ایک کارڈ نکال کر ڈاکٹر کے سامنے کر دیا۔ یہ ٹاپ اتھارٹی سائن تھا۔

ڈاکٹر اسے دیکھ کر چونکا اور پھر اس نے ہاتھ اٹھا کر سلام کر دیا۔

"ایمونیا کی ایک بوتل لاؤ۔" ——— فریدی نے اسے حکم دیا اور ڈاکٹر نے ایک نرس کو سٹور سے ایمونیا کی بوتل نکال کر لانے کو کہا۔

چند ہی منٹ بعد بوتل آ گئی۔ فریدی نے اپنا میک اپ صاف کر دیا۔ اب اسے اصلی صورت میں دیکھ کر ڈاکٹر چونک پڑا کیونکہ وہ فریدی کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔

''آپ۔''۔۔۔۔۔وہ حیرت سے بھرپور لہجے میں بولا۔

''ہاں ڈاکٹر اور یہ ساتھ والے بیڈ پر کیپٹن حمید ہے۔ اس کا خاص خیال رکھنا۔ دوسرا یہ بتاؤ کہ ملبے سے کوئی نقاب پوش بھی ملا ہے۔ جس کے نقاب پر سنہری رنگ میں مکڑی بنی ہوئی ہو۔''۔۔۔۔۔فریدی نے پوچھا۔

''نو سر۔ ایسا کوئی نقاب پوش نہیں ملا۔ البتہ بارہ کے قریب نقاب پوشوں کی لاشیں ملی ہیں جن میں سے آٹھ تو گولیوں سے چھلنی تھے اور چار ملبے میں دب کر ہلاک ہو گئے تھے دو زخمی تھے جو ہسپتال میں موجود ہیں۔''۔۔۔۔۔ڈاکٹر نے اسے تفصیل بتلاتے ہوئے کہا۔

''مجھے فوراً ان کے پاس لے چلو۔''۔۔۔۔۔فریدی نے بیڈ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''لیکن آپ کی حالت جناب۔''۔۔۔۔۔ڈاکٹر نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''جو میں کہہ رہا ہوں وہی کرو۔''۔۔۔۔۔فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

''تو چلیں جناب ویسے ان کی حالت سخت نازک ہے۔''۔۔۔۔۔ڈاکٹر نے کہا اور پھر فریدی ڈاکٹر کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ وہ دونوں ایک اور ہال میں پہنچے۔ جیسے ہی وہ دروازے میں سے اندر چلے گئے ایک نرس باہر آئی۔ اس نے کہا بیڈ نمبر ایک سو چوبیس اور پچیس کے زخمی انتقال کر گئے ہیں۔

''اوہ۔ کرنل فریدی یہ وہی نقاب پوش تھے۔''۔۔۔۔۔ڈاکٹر نے فریدی سے مخاطب ہو کر کہا۔

چند لمحے بعد فریدی ان دونوں کی لاشوں کے پاس کھڑا تھا۔ اس نے ان کے کپڑوں کی تلاشی لی لیکن بے سود کچھ بھی نہ ملا۔

اور پھر وہ واپس مڑ گیا اور چند لمحے بعد وہ ہسپتال کی عمارت سے باہر آ گیا۔ اس نے ڈاکٹر سے تھوڑی دیر کے لیے اس کی کار مانگ لی تھی۔ وہ بلیک فورس کو بھی کال نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ شہر میں کرفیو نافذ تھا۔ اس کی کار کو بھی کئی جگہ روکا گیا لیکن ٹاپ اتھارٹی سائن نے ہر جگہ اس کی مدد کی اور وہ کار دوڑاتا ہوا سیدھا ایوان صدر پہنچا۔ پھر ٹاپ اتھارٹی سائن کی مدد سے وہ تھوڑی دیر بعد صدر مملکت کے سامنے موجود تھا۔

''مسٹر فریدی ہم ہار گئے ہیں۔ میں نے استعفیٰ لکھ دیا ہے۔ آدھے گھنٹے بعد اس کا اعلان کر دیا جائے گا۔''۔۔۔۔۔صدر مملکت نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''نہیں جناب۔ آپ استعفیٰ نہیں دیں گے۔ میں ٹرنولا کا ہیڈ کوارٹر تباہ کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ اس کا ہیڈ کوارٹر ہوٹل تھری سٹار کے نیچے موجود تہہ خانوں میں تھا۔ جب اس نے آخری اعلان کیا تھا میں وہیں موجود تھا۔ وہ فی الحال میرے ہاتھ سے نکل گیا ہے لیکن میں اس کا ہیڈ کوارٹر تباہ کر چکا ہوں اور اب وہ مفلوج ہو گیا ہے۔ اس کے خلاف میں ثبوت بھی حاصل کر چکا ہوں۔ آپ اس کے ہیڈ کوارٹر

کی تباہی کا اعلان کر دیں۔"_____فریدی نے انہیں تفصیلات بتلاتے ہوئے کہا۔

"لیکن ٹرنٹولا کہاں ہے۔"_____صدر مملکت نے بے چینی سے پوچھا۔

"میں اسے پہچان چکا ہوں۔ وہ اب میرے ہاتھوں سے نہیں بچ پائے گا۔ میں عنقریب اسے گرفتار کر کے عوام کے سامنے پیش کر دوں گا۔ آپ مجھ پر اعتماد کریں۔"

"اگر ایسی بات ہے تو پھر جتنی جلدی ہو سکے اسے گرفتار کرنے کی کوشش کرو۔ لیکن یہ یاد رکھو اس کے خلاف مکمل اور قطعی ثبوت موجود ہونے چاہئیں۔"_____صدر مملکت نے کہا۔

"آپ بے فکر رہیں۔ اچھا مجھے اجازت دیں۔ میں ٹرنٹولا کی گرفتاری میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی نہیں کرنا چاہتا۔"_____فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ وش یو گڈ لک فریدی۔"_____صدر نے اٹھتے ہوئے کہا اور کرنل فریدی انہیں سلام کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

کرنل فریدی کی کار تیزی سے دارالخلافہ سے باہر جانے والی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ لمحہ بہ لمحہ وہ سپیڈ بڑھاتا چلا جا رہا تھا۔ گاڑی طوفان کی طرح اڑی چلی جا رہی تھی۔ شہر سے چودہ میل دور وہ ایک بائی پاس روڈ پر آ گیا۔ یہ سڑک ڈاکٹر باقر کی لیبارٹری کو جاتی تھی۔ ڈاکٹر باقر کی عظیم الشان اور وسیع و عریض لیبارٹری ہائی وے سے تقریباً پانچ میل اندر کی طرف تھی۔ ڈاکٹر باقر ملک کا مایہ ناز سائنسدان تھا۔ فریدی کے ملک کو انہوں نے انتہائی اہم ایجادیں تیار کر کے دی تھیں جن سے اس ملک کی طاقت میں بے پناہ اضافہ ہوا تھا۔ فریدی اسے ملنے کے لیے جا رہا تھا۔ وہ پہلے بھی کئی بار اس سے مل چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی کار لیبارٹری کے پھاٹک پر جا کر رک گئی۔ اس نے گیٹ پر متعین چوکیدار کو اپنا وزیٹنگ کارڈ دیا۔ اس نے ٹیلی فون پر ڈاکٹر سے بات کی اور پھر گیٹ کھول دیا۔

"سر۔ آپ جا سکتے ہیں ڈاکٹر صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" چوکیدار نے اسے سلام کرتے ہوئے کہا۔

اور فریدی کی کار آگے بڑھ گئی۔ وہ سیدھا بڑھتا چلا گیا۔ پھر اس نے کار پورچ میں روک دی۔ ایک اور ملازم نے اس کی ڈاکٹر کے مخصوص کمرے تک رہنمائی کی اور پھر وہ ڈاکٹر کے سامنے موجود تھا۔ ڈاکٹر نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔

"ہیلو کرنل فریدی۔ کافی عرصے کے بعد آپ سے ملاقات ہو رہی ہے۔" ـــــ ڈاکٹر نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ بس مصروفیت اتنی رہتی ہے کہ ملنے ملانے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔" ـــــ فریدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں بھئی تمہاری مصروفیت بھی قوم کے لیے فائدہ مند ہے۔ اور پھر آج کل جو ملکی حالات ہیں ان میں تمہیں زیادہ مصروف رہنا پڑتا ہو گا۔" ـــــ ڈاکٹر نے کہا۔ اتنے میں ملازم نے چائے اور دیگر لوازمات کی ٹرے لا کر ان دونوں کے سامنے رکھ دی۔

"جی ہاں۔ ٹرنٹولا نے ملک میں ابتری مچا رکھی ہے۔" ـــــ فریدی نے چائے بناتے ہوئے کہا۔

"میں اس مجرم کا اصل مقصد نہیں سمجھ سکا ہوں۔" ـــــ ڈاکٹر نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھی کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ وہ آخر چاہتا کیا ہے۔" ـــــ فریدی نے جواب دیا۔

"اچھا فرمائیے۔ آپ نے کیسے تکلیف کی۔" ـــــ ڈاکٹر نے فریدی سے پوچھا۔

"ڈاکٹر صاحب میں ایک مسئلے پر آپ سے مشورہ لینے کے لیے آیا تھا۔ بتائیے کہ فورٹم ریز کیا ہوتی ہے اور ان کا کیا فنکشن ہے۔" فریدی نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"فورٹم ریز۔" ـــــ ڈاکٹر چونک پڑا۔ ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات ابھر آئے۔ پھر اس کا چہرہ سپاٹ ہو گیا۔ وہ چند لمحے تک سوچتا رہا پھر بولا۔

"لیکن کرنل فریدی آپ نے یہ نام کہاں سے سنا۔" ـــــ ڈاکٹر کی نظروں میں بے چینی تھی۔

"ڈاکٹر صاحب دراصل ٹرنٹولا کے خلاف تحقیقات کے دوران مجھے ان ریز کے متعلق پتہ چلا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ ان ریز کے متعلق کوئی مواد حاصل کر سکوں لیکن ناکام رہا۔ آخر مجبور ہو کر آپ سے رجوع کرنا پڑا۔" ـــــ فریدی نے اسے تفصیل بتلاتے ہوئے کہا۔

"فریدی مجھے افسوس ہے کہ ان ریز کے متعلق مجھے کچھ زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ بس اتنا جانتا ہوں کہ آج سے دس سال پہلے ہنگری کے ایک ڈاکٹر فورٹم نے یہ ریز دریافت کی تھیں۔ اس کے نام پر اس کا نام فورٹم ریز پڑھ گیا۔ جہاں تک ان کے فنکشن کا سوال ہے اس بارے میں ابھی کوئی خاص تحقیقات نہیں ہوئیں۔ فورٹم ان ریز پر تجربات کر رہا تھا کہ اسے قتل کر دیا گیا۔ بعد میں کسی نے اس میں

دلچسپی نہیں لی۔فورٹم نے جو اس کے متعلق تحقیق کی تھی وہ اتنی تھی کہ یہ ریز انتہا سے زیادہ طاقت کی حامل ہے۔ اگر ایتھر کی لہروں کو فورٹم ریز میں تبدیل کر دیا جائے تو جو چیزیا علاقہ اس کی زد میں ہوگا وہاں آکسیجن کا خلا واقع ہو جائے گا۔ نتیجتاً وہاں پر موجود تمام جاندار آکسیجن نہ ملنے کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں گے اور وہ سب کچھ ہو گا جو آکسیجن نہ ہونے سے عمل پذیر ہوسکتا ہے۔'' ـــــ ڈاکٹر نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''اس سے تو ظاہر ہے کہ یہ ایک انتہائی خوفناک ہتھیار ثابت ہوسکتا ہے۔'' ـــــ فریدی نے کہا۔

''ہاں کرنل فریدی۔لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ ایتھر کی لہروں کو فورٹم ریز میں کیسے تبدیل کیا جائے۔ کیونکہ صرف فورٹم ریز کوئی طاقت نہیں رکھتیں ۔ یہ خوفناک اسی وقت ہوسکتی ہیں جب ایتھر کی لہروں کو فورٹم ریز میں تبدیل کر لیا جائے۔ ڈاکٹر فورٹم نے اس کا تجربہ کیا تھا۔ وہ چالیس فیصد کامیابی بھی حاصل کر چکا تھا۔لیکن اسے قتل کر دیا گیا اور دوسرے سائنسدانوں کو اس کا فارمولا بھی نہ مل سکا۔''

''لیکن دوسرے سائنسدان اس کے متعلق تجربہ کرنے کی کوشش تو کر سکتے تھے۔'' ـــــ فریدی نے اعتراض کیا۔

''دراصل مسئلہ یہ ہے کہ ایتھر کی لہروں کو فورٹم ریز میں تبدیل کرنا انتہائی خوفناک اور تباہ کن ہے۔ ایتھر کی لہریں جب فورٹم ریز میں تبدیل ہونے لگتی ہیں تو وہ کشش ثقل پر اثر انداز ہو جاتی ہیں۔تم جانتے ہو اگر

کشش ثقل میں کوئی معمولی سی بھی گڑبڑ ہو جائے تو نظام ہی الٹ جائے اور پھر جو تباہی مچے گی اس کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔'' ڈاکٹر نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''لیکن ڈاکٹر فورٹم نے کیسے چالیس فیصد کامیابی حاصل کر لی۔'' فریدی نے ایک اور سوال کیا۔

''دراصل چالیس فیصد کامیابی اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اس نے انتہائی محدود پیمانے پر اس کا تجربہ کیا تھا۔ وہ قدرے کامیاب بھی ہوا۔ پھر معمولی سی غلطی سے اس کی فیکٹری تباہ ہوگئی۔''

''اچھا ڈاکٹر صاحب آپ کی نوازش۔ میں نے آپ کا بہت وقت لیا ہے۔'' ـــــ فریدی نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات نہیں کرنل فریدی۔ میرا وقت ضائع نہیں ہوا بلکہ تمہاری وجہ سے مجھے تجربات کی ایک نئی راہ مل گئی ہے۔ مجھے دراصل ان ریز کا خیال ہی نہیں تھا۔اب میں ان پر تجربات کروں گا۔'' ـــــ ڈاکٹر نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ڈاکٹر صاحب آپ تو لیبارٹری سے باہر اکثر جاتے رہتے ہوں گے۔'' ـــــ فریدی نے اچانک سوال کیا۔

''نہیں تو'' ـــــ ڈاکٹر نے چونکتے ہوئے کہا۔

''مجھے اپنے تجربات سے ہی اتنی فرصت نہیں ملتی کہ میں شہر کی سیر کرسکوں یا کسی دوسری تفریح میں حصہ لے سکوں۔''

''لیکن آج سے سات دن پہلے آپ تھری سٹار ہوٹل میں موجود

تھے۔"۔۔۔۔فریدی نے اسے بتاتے ہوئے کہا۔

"غلط ہے۔ آج سے پندرہ دن پہلے ایک میٹنگ کے سلسلے میں لیبارٹری سے باہر نکلا تھا۔ پھر باہر جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔"۔۔۔۔ڈاکٹر نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"تو پھر میری نظروں کو دھوکا ہوا ہوگا۔"۔۔۔۔فریدی نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔"۔۔۔۔ڈاکٹر نے اطمینان سے کہا۔

"اوکے ڈاکٹر۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔"۔۔۔۔فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔ کبھی کبھار آجایا کرو۔ تمہارے ساتھ بات کر کے دل خوش ہوتا ہے۔"۔۔۔۔ڈاکٹر نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"کوشش کروں گا کہ آپ سے دوبارہ ملاقات جلد ہو۔"۔۔۔فریدی نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

صدر مملکت کی طرف سے اعلان ہو چکا تھا کہ ٹرنٹولا ایک بہت بڑا مجرم ہے جو ملک کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ اس کا ہیڈکوارٹر جو ہوٹل تھری سٹار کے نیچے تہہ خانوں میں تھا تباہ کر دیا گیا ہے۔ عنقریب مجرم کو گرفتار کر کے عوام کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ اس اعلان کو بار بار ریڈیو پر دہرایا جاتا رہا۔ اب عوام منتظر تھے کہ ٹرنٹولا اس کی تردید میں ضرور کوئی اعلان کرے گا لیکن اس کی طرف سے مسلسل خاموشی معنی خیز تھی اور عوام کو حکومت کے کئے اعلان پر یقین آتا جا رہا تھا۔ چنانچہ اب وہ منتظر تھے کہ ٹرنٹولا کب گرفتار ہوتا ہے تاکہ جان سکیں کہ اس کا اصل مقصد کیا تھا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی دارالخلافہ سے کرفیو کی پابندیاں ہٹا لی گئی تھیں۔ شہر میں امن و امان بحال ہو گیا تھا۔ ہنگامے بند ہو گئے تھے۔ ہر شخص اپنی جگہ بے چین تھا کہ ٹرنٹولا کی اصلیت کا پتہ چلے۔ رات گئے تک حکومت نے اس کی گرفتاری کا کوئی اعلان نہ کیا۔

رات دو بجے کے قریب ایک کار ڈاکٹر باقر کی لیبارٹری کے گیٹ پر آ کر رکی۔ اس میں کرنل فریدی اور کیپٹن حمید موجود تھے۔ کار روک کر وہ دونوں باہر نکلے۔ گیٹ پر متعین مسلح چوکیدار جب ان کے قریب پہنچا تو اچانک کرنل فریدی نے ریوالور نکال کر اس کے سینے پر رکھ دیا اور حمید نے پھرتی سے جیب سے ایک باریک سی رسی نکال کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور منہ میں کپڑا ٹھونس دیا اور پھر اسے اٹھا کر اس کی کوٹھڑی میں بند کر دیا۔

اس سے فارغ ہو کر کرنل فریدی نے جیب سے ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر نکالا اور کسی کو کال کرنے لگا۔

''ہیلو ہیلو۔ میجر فرحت آپ لوگ ڈاکٹر باقر کی لیبارٹری کو چاروں طرف سے گھیر لیں۔ ہم اندر جا رہے ہیں۔ میری طرف سے مخصوص کاشن ملنے پر آپ لوگ ہلہ بول دیں۔ سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ کوئی آدمی لیبارٹری سے نکل بھاگنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اوور۔''_____ فریدی نے رابطہ ہونے پر ٹرانسمیٹر پر حکم دیا۔

''او کے کرنل ایسا ہی ہوگا۔ اوور۔''_____ دوسری طرف سے آواز آئی۔

''اوور اینڈ آل۔''_____ فریدی نے جواب دیا اور پھر ٹرانسمیٹر کا ایک اور بٹن دبا دیا۔ چند لمحے بعد وہ کسی اور سے بات کر رہا تھا۔

''ونگ کمانڈر ناصر۔ میں کرنل فریدی بول رہا ہوں۔ آپ لوگ تیار رہیں۔ اگر ڈاکٹر باقر کی لیبارٹری سے کوئی چھوٹا جہاز یا ہیلی کاپٹر اڑے

تو آپ نے اسے ہر صورت میں نیچے اتارنا ہے۔ اوور۔''_____ کرنل فریدی نے ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

''ہم تیار ہیں کرنل۔ اوور۔''_____ دوسری طرف سے آواز آئی۔

''اوور اینڈ آل۔''_____ فریدی نے کہا اور ٹرانسمیٹر جیب میں رکھ لیا۔

''یہ سب آپ کے حکم کی تعمیل اتنی فرمانبرداری سے کیوں کر رہے ہیں۔''_____ حمید نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

''ٹاپ اتھارٹی سائن۔''_____ فریدی نے مختصر سا جواب دیا۔

''اوہ سمجھا یہ اسی سائن کی کرامات ہیں۔''_____ حمید نے ہنستے ہوئے کہا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا اور آگے بڑھ کر گیٹ کھول دیا اور وہ دونوں کار میں بیٹھے اور کار آگے بڑھ گئی۔

''یہ کیس حل ہونے کے بعد آپ یہ ٹاپ اتھارٹی سائن مجھے دے دیجئے گا۔''_____ حمید نے التجائیہ انداز میں فریدی سے کہا۔

''کیوں۔ کیا کرو گے۔''_____ فریدی نے حیرت سے پوچھا۔

''کام آتا رہے گا۔''_____ حمید نے جواب دیا۔

''کیا مجھے گرفتار کرنے کا ارادہ ہے۔''_____ فریدی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ارادہ تو کچھ ایسا ہی ہے۔''_____ حمید نے شوخی سے کہا اور پھر خود ہی ہنس پڑا۔ اتنے میں ان کی کار لیبارٹری کے پورچ میں جا کر

رک گئی۔ دو مسلح گارڈ وہاں موجود تھے۔ وہ ان کے قریب آئے۔ فریدی اور حمید نیچے اترے اور پھر اچانک دونوں نے مسلح گارڈز کے سینوں پر ریوالوروں کی نالیں رکھ دیں۔ دوسرے لمحے دونوں کے روزدار مکوں نے انہیں بے ہوش ہونے پر مجبور کر دیا۔ انہیں ایک طرف ڈال کر فریدی اور حمید اندر داخل ہو گئے۔

وہ مختلف کمروں سے ہوتے ہوئے ایک گیلری میں آ گئے۔ ایک لمبی سی گیلری میں صرف ایک ہی دروازہ تھا جو بند تھا۔

''یہ لیبارٹری کا دروازہ ہے۔''——فریدی نے حمید سے کہا۔

''کیا ڈاکٹر باقر کو علم نہیں کہ مجرم اس کی لیبارٹری میں چھپا ہوا ہے۔''——حمید نے پوچھا۔

''معلوم نہیں۔''——فریدی نے کہا۔

اور پھر دونوں دروازے کے قریب آ گئے۔ فریدی نے ایک چھوٹا سا آلہ نکالا اور اسے دروازے کے ساتھ لگا دیا۔ آلے میں لگا ہوا چھوٹا سا بلب جل اٹھا۔

''اس میں کرنٹ دوڑ رہا ہے۔''——فریدی نے کہا اور پھر آلے کے اوپر لگا ہوا ایک بٹن دبا دیا۔ بلب سپارک ہوا اور بجھ گیا۔

فریدی نے جیب سے تار نکال کر تالے میں ڈال دی۔ چند لمحے بعد ہلکی سی کھٹک سے دروازہ کھل گیا۔ فریدی نے جیب سے رومال نکال کر اندر پھینکا۔ ایک شعلہ سا لپکا اور رومال فضا میں ہی جلنے لگا۔ حمید حیران رہ گیا۔

''یہ حفاظتی شعاعوں کا کمال ہے۔ اگر ہم اندر داخل ہو جاتے تو ہمارا بھی یہی حشر ہوتا جو اس رومال کا ہوا ہے۔''——فریدی نے اسے بتایا۔

''تو اب ہم اندر کیسے جائیں گے۔''——حمید نے بے چینی سے پوچھا۔

''ابھی لو۔ میں پوری تیاری کر کے آیا ہوں۔ مجھے ان خطرات کا پہلے ہی علم تھا۔''——اس نے جیب سے ایک چھوٹا سا بکس نکالا۔ اس میں سے ایک راڈ کھینچی اور پھر بکس کے اوپر لگا ہوا بٹن دبا دیا۔ راڈ کے سرے پر ایک جھماکا سا ہوا۔ پھر نیلے شعلے ناچنے لگے۔ فریدی نے بٹن بند کر دیا۔ راڈ واپس ڈبے میں کر دی۔

اور پھر وہ اندر داخل ہو گیا۔ اسے کچھ بھی نہیں ہوا۔ حمید بھی اندر داخل ہو گیا۔ فریدی نے مڑ کر دروازہ بند کر دیا۔ لیبارٹری انتہائی عظیم الشان تھی۔ مختلف آلات اور مشینیں چاروں طرف موجود تھیں۔ فریدی ادھر ادھر نظریں گھمانے لگا۔ ایک کونے میں اسے لوہے کی ایک الماری رکھی ہوئی نظر آئی۔ فریدی اس کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے جیب سے وہی بکس نکالا اور اس کا راڈ کھینچ کر بٹن دبا دیا۔ راڈ کو الماری کے ساتھ لگایا۔ ویسا ہی ایک جھماکا ہوا جیسے دروازے پر ہوا تھا۔ فریدی نے بٹن آف کر دیا۔ راڈ واپس کھینچ کر بکس جیب میں ڈال لیا۔ جیب سے وہی پہلے والا چھوٹا سا آلہ نکالا اور الماری کے ساتھ لگا دیا۔ بلب جل اٹھا۔ اس نے بٹن دبا دیا۔ بلب سپارک ہوا اور بجھ گیا۔

حمید خاموشی سے کھڑا یہ سب عمل دیکھ رہا تھا۔ فریدی نے تالے کے نمبر ملانے شروع کر دیئے۔ یہ تالا مخصوص نمبر گھمانے سے کھلتا تھا۔ چند لمحے تک وہ کوشش کرتا رہا۔ پھر اچانک کھٹک کی آواز آئی اور تالا کھل گیا۔ فریدی نے الماری کھولی تو اس میں مختلف قیمتی دوائیں اور محلول رکھے ہوئے تھے۔ الماری میں کوئی فائل موجود نہیں تھی۔ فریدی خاموشی سے کھڑا دیکھتا رہا۔ پھر اس نے محلول کی شیشیاں نکال نکال کر غور سے دیکھنی شروع کر دیں۔ وہیں ایک بڑی سی بوتل کا ڈھکن کھول کر جیسے ہی اس نے اندر نگاہ ڈالی۔ اس کے منہ سے ایک سیٹی کی آواز نکلی۔

''حمید میز پر سے کوئی چمٹی لے آؤ۔''______ کرنل فریدی نے حمید سے کہا۔

اور حمید ساتھ والی میز پر پڑی ہوئی چھوٹی سی چمٹی اٹھا کر لے آیا۔ فریدی نے چمٹی بوتل میں ڈالی اور پھر دوسرے لمحے اس میں ایک چھوٹی سی فلم نکال لی۔ فریدی نے الماری سے ایک اور کھلے منہ والی بوتل نکالی اور اس کا ڈھکن کھول کر وہ فلم اس میں ڈال دی۔ پھر دو انگلیاں ڈال کر وہ فلم نکال لی۔

''حمید ذرا ٹارچ جلاؤ۔''______ کرنل فریدی نے کہا۔

حمید نے ٹارچ جلا دی۔ ٹارچ کی روشنی میں فریدی وہ فلم دیکھنے لگا۔ پھر اس نے اسے لپیٹ کر جیب میں ڈال لیا۔

''اب چلو ڈاکٹر کی خواب گاہ میں۔''______ فریدی نے حمید سے

کہا اور وہ دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے لیبارٹری سے باہر نکل آئے۔

پھر مختلف گیلریوں میں گھومتے ہوئے فریدی ایک دروازے پر جا کر رک گیا۔ فریدی نے لیبارٹری کے دروازے والا عمل یہاں بھی دہرایا اور پھر ماسٹر کی سے تالا کھول کر دروازے پر دباؤ ڈالا۔ دروازہ بے آواز کھلتا چلا گیا۔ پھر فریدی نے حفاظتی شعاعوں کا جال بکس نما آلے سے توڑا اور وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ فریدی نے ہاتھ بڑھا کر دیوار پر لگا ہوا بٹن دبا دیا۔ کمرہ روشن ہو گیا۔ ایک لمحے کے لیے دونوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ ڈاکٹر اپنے بستر پر چادر اوڑھے بے خبر سو رہا تھا۔ فریدی نے جیب سے ریوالور نکالا اور پھر آگے بڑھ کر چادر الٹ دی۔

''ارے۔''______ فریدی کے منہ سے نکلا کیونکہ بستر پر ڈاکٹر کی بجائے سرہانے رکھ کر چادر اوڑھا دی گئی تھی۔ اسی لمحے کمرے میں ڈاکٹر کی آواز گونج اٹھی۔

''ہینڈز اپ۔ میرے ہاتھ میں سٹین گن ہے۔''

فریدی اور حمید پھرتی سے مڑے لیکن سامنے ڈاکٹر باقر واقعی سٹین گن لئے کھڑا تھا۔ فریدی نے ریوالور نیچے گرا کر ہاتھ اٹھا لیے۔ حمید نے بھی فریدی کی تقلید میں ہاتھ اٹھا لیے۔

ڈاکٹر ایک لمحے تک حیرت سے کرنل فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

"کرنل فریدی کو مجھے تمہاری ملک سے وفاداری پر کوئی شک نہیں ہے لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم میری خواب گاہ میں چوروں کی طرح کیوں گھسے ہو" ـــــــ ڈاکٹر باقر نے سخت لہجے میں کہا۔

"ہاں ڈاکٹر۔ اس لیے کہ تم اب ملک کے وفادار نہیں رہے۔ تم نے ٹرنٹولا کا روپ دھار کر ملک کو تباہی کے دھانے پر پہنچا دیا ہے۔" فریدی نے سرد آواز میں کہا۔

"ٹرنٹولا" ـــــــ ڈاکٹر اچھل پڑا اور ساتھ ہی حمید کی آنکھیں بھی حیرت سے پھٹ گئیں۔

اور اسی لمحے فریدی نے اچانک اچھل کر لات ماری اور سٹین گن ڈاکٹر کے ہاتھوں سے نکل کر دور کونے میں جا پڑی۔

لیکن دوسرے لمحے ڈاکٹر باقر نے اچھل کر فریدی کو فلائنگ کک مارنی چاہی۔ فریدی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا اور ڈاکٹر حیران کھڑے حمید پر آ گرا۔ حمید فرش پر گر پڑا۔ فریدی نے جھک کر فرش سے اپنا ریوالور اٹھانا چاہا مگر ڈاکٹر باقر کی پھرتی قابل داد تھی۔ وہ سپرنگ کی طرح اچھلا اور فریدی کو رگیدتا ہوا دیوار تک چلا گیا اور پھر اس نے سر کی زوردار ٹکر فریدی کی ناک پر ماری۔ حمید پھرتی سے اٹھا اور اس نے جیب سے ریوالور نکال لیا لیکن ڈاکٹر باقر نے ریوالور چلانے کا موقع ہی نہ دیا۔ کیونکہ اس نے ایک دم فریدی کو پکڑ کر آگے کر دیا۔ اب حمید بے بس تھا۔ اچانک فریدی نے ایک داؤ مارا اور ڈاکٹر باقر اس کے سر پر سے اچھلتا ہوا حمید کے آگے آ گرا۔ ڈاکٹر باقر کی

لات لگنے سے حمید کا ریوالور چھوٹ گیا۔ اس سے پہلے کہ فریدی ڈاکٹر پر جھپٹتا۔ ڈاکٹر نے جمپ لگایا اور کھلے ہوئے دروازے سے باہر جا گرا۔ وہ دونوں بھی باہر کی طرف لپکے۔ لیکن جیسے ہی وہ باہر آئے ڈاکٹر گم ہو چکا تھا۔ فریدی دیوانہ وار ایک طرف کو دوڑا۔ حمید بھی اس کے پیچھے تھا۔ اب موڑ مڑتے ہی فریدی کے سامنے سیڑھیاں آ گئیں جو چھت کی طرف جا رہی تھی۔ اوپر والی سیڑھیوں پر ڈاکٹر تھا۔

"رک جاؤ ڈاکٹر ورنہ گولی مار دوں گا۔" ـــــــ فریدی نے چیختے ہوئے کہا۔ لیکن ڈاکٹر اوپر دروازے سے گزر چکا تھا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ وہ دونوں تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دروازے تک پہنچے اور پھر فریدی نے قدرے پیچھے ہٹ کر زور سے دروازے پر کاندھے سے ٹکر ماری۔ دو تین ٹکروں کے بعد دروازہ ٹوٹ گیا اور وہ دوسری طرف جا گرا۔ یہ ایک وسیع وعریض چھت تھی۔ جیسے ہی وہ چھت پر پہنچے چھت پر موجود ہیلی کاپٹر نے چھت چھوڑ دی۔ فریدی وہیں رک گیا۔ اس نے پھرتی سے جیب سے ٹرانسمیٹر نکالا اور پھر اسے آن کر کے رابطہ قائم کرنے لگا۔

"ہیلو ہیلو ونگ کمانڈر ناصر۔ فریدی سپیکنگ۔ اوور۔" ـــــــ فریدی تیزی سے چیخ رہا تھا۔

"یس۔ ناصر دس سائیڈ سپیکنگ۔ اوور۔" ـــــــ دوسری طرف سے مدھم سی آواز سنائی دی۔

"ناصر ابھی ابھی ایک مجرم ہیلی کاپٹر کے ذریعے ڈاکٹر باقر کی

لیبارٹری کی چھت سے فرار ہوا ہے۔ فوراً ہیلی کاپٹر کو گھیرے میں لے لو اور اسے ملٹری رن وے پر زبردستی اتارنے کی کوشش کرو۔ یاد رہے کہ مجرم کو ہر صورت زندہ گرفتار کرنا ہے۔ اوور۔“ ـــــ فریدی تیزی سے بول رہا تھا۔

”او کے۔ اوور۔“ ـــــ ونگ کمانڈر نے جواب دیا۔

اور فریدی نے اوور اینڈ آل کہہ کر ٹرانسمیٹر بند کر کے جیب میں ڈالا اور پھر وہ پھرتی سے سیڑھیاں اترنے لگے۔ چند لمحے بعد وہ گیلری میں دوڑ رہے تھے۔ وہ دوڑتے دوڑتے وہاں آ پہنچے جہاں ان کی کار موجود تھی۔ وہ دونوں کار میں داخل ہوئے اور پھر کار نے تیزی سے ٹرن لیا اور گیٹ کی طرف بھاگنے لگی۔ حمید ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ فریدی نے جیب سے ٹرانسمیٹر نکال کر میجر کو کال کرنا شروع کر دیا اور اسے بتایا کہ ہماری کار گیٹ سے باہر آ رہی ہے اسے نہ روکا جائے اور کوٹھی میں موجود بے ہوش گارڈز اور رسی سے بندھے ہوئے چوکیدار کو حراست میں لے لیا جائے۔ مجرم ہیلی کاپٹر کے ذریعے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔“ چند لمحے بعد ان کی کار گیٹ کراس کر گئی اور پھر اس کا رخ ملٹری رن وے کی طرف ہو گیا۔

ڈاکٹر باقر کا ہیلی کاپٹر تیزی سے پرواز کر رہا تھا۔ ڈاکٹر کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات تھے۔ ہیلی کاپٹر کافی بلندی پر تھا۔ اچانک ڈاکٹر کو اپنے اوپر لڑاکا اور بمبار طیاروں کی گونج سنائی دی اور پھر چند لمحے بعد طیارے ہیلی کاپٹر کو گھیر چکے تھے۔ ہیلی کاپٹر میں ٹرانسمیٹر کا بٹن سپارک کرنے لگا۔ ڈاکٹر نے بٹن آن کر دیا۔

”ہیلو ہیلو ہیلی کاپٹر میں کون ہے جواب دے۔ اوور۔“ ـــــ ٹرانسمیٹر پر آواز ابھری۔

”میں ڈاکٹر باقر ہوں۔ آپ لوگ کون ہیں میرے ہیلی کاپٹر کو کیوں گھیرے میں لیا گیا ہے۔ اوور۔“ ـــــ ڈاکٹر نے انتہائی سخت لہجے میں کہا۔

”آپ جو کوئی بھی ہیں فوراً ملٹری رن وے پر جو دس میل کے فاصلے پر آ رہا ہے اتر جائیں ورنہ آپ کا ہیلی کاپٹر تباہ کر دیا جائے گا۔

اوور"ـــــــ دوسری طرف سے آواز آئی۔

"آپ کو کیا اختیار ہے کہ آپ مجھے روکیں۔ میں صدر مملکت سے شکایت کروں گا۔ اوور"ـــــــ ڈاکٹر نے چیختے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر اپنا ہیلی کاپٹر نیچے اتار لیں ورنہ ہیلی کاپٹر پر گولیوں کی بارش کر دیں گے۔ اوور"ـــــــ دوسری طرف سے آنے والی آواز نے اور زیادہ سخت لہجے میں کہا۔

"اچھا میں اتارتا ہوں لیکن یاد رکھو تم اپنی نوکریوں سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ اوور"ـــــــ ڈاکٹر نے کہا۔

"اب رن وے چار میل رہ گیا ہے۔ اوور"ـــــــ دوسری طرف سے کہا گیا۔ لیکن ڈاکٹر نے ٹرانسمیٹر کا بٹن آف کر دیا۔

اور پھر اس نے ہیلی کاپٹر کی رفتار تیز کر دی اور دروازہ کھول کر نیچے چھلانگ لگا دی۔ ہیلی کاپٹر سیدھا اڑتا چلا گیا۔ ڈاکٹر کی پشت سے بندھا ہوا پیراشوٹ کھل گیا اور وہ آہستہ آہستہ زمین کی طرف آتا گیا۔ ہیلی کاپٹر کافی دور نکل چکا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس کے اوپر اڑنے والے بمبار جہاز بھی۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر زمین پر آ گرا۔ اس نے پھرتی سے پیراشوٹ کی بیلٹ کمر سے کھولی۔ اسے لپیٹ کر ایک طرف پھینک دیا۔ وہ کھیتوں کے درمیان گرا تھا۔ پھر وہ شہر کی طرف بھاگتا چلا گیا کیونکہ دور سے اسے شہر کی روشنیاں صاف نظر آ رہی تھیں۔

کرنل فریدی کی کار تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑتی ہوئی ملٹری رن وے کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔ ابھی وہ رن وے سے چھ میل دور تھے کہ فریدی کے ٹرانسمیٹر پر سیٹی سنائی دی۔ فریدی نے پھرتی سے ٹرانسمیٹر نکال کر بٹن آن کر دیا۔

"ہیلو ہیلو۔ ونگ کمانڈر ناصر کالنگ۔ اوور"ـــــــ دوسری طرف سے آواز آئی۔

"یس کرنل فریدی اٹینڈنگ۔ اوور"ـــــــ کرنل فریدی نے جواب دیا۔

"کرنل فریدی مجرم کا ہیلی کاپٹر رن وے سے تین میل آگے ایک درخت پر گر کر تباہ ہو گیا ہے۔ اوور"

"کیا کہا۔ تباہ ہو گیا ہے اسے صحیح سلامت کیوں نہیں اتار لیا گیا۔ اوور"ـــــــ فریدی نے انتہائی درشتی سے کہا۔

”بات یہ ہے کہ رن وے سے چار میل پہلے مجرم جو اپنا نام ڈاکٹر باقر بتا رہا تھا مان گیا کہ وہ رن وے پر اتر جائے گا لیکن پھر اس کے ہیلی کاپٹر کی رفتار تیز ہوگئی اور اس کا ہیلی کاپٹر رن وے سے گزر گیا۔ پھر جب اس سے رابطہ قائم کیا گیا تو کوئی جواب نہ ملا۔ ہیلی کاپٹر بتدریج نیچے ہوتا جا رہا تھا۔ پھر رن وے سے تین میل دور کم بلندی کی وجہ سے درخت سے ٹکرا کر نیچے گرا اور تباہ ہوگیا۔ اوور۔“ ـــــ ونگ کمانڈر نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”پھر مجرم کی لاش ملی۔اوور۔“ ـــــ فریدی نے پوچھا۔

”یہی تو حیرت ہے۔ہم فوراً جائے حادثہ پر پہنچ گئے تھے۔لیکن ہیلی کاپٹر سے کوئی لاش نہیں ملی۔ میں اس وقت وہیں سے بول رہا ہوں۔ اوور۔“

”مجرم کہیں راستے میں ہی پیراشوٹ کے ذریعے نہ اتر گیا ہو۔ پ نے لائٹ بم پھینکے تھے۔اوور۔“

”اوہ اوہ۔ میرے خیال میں یقیناً ایسا ہی ہوا ہوگا۔ہمیں چونکہ اس کی توقع نہیں تھی ۔اس لیے ہم نے لائٹ بم پھینکنے ضروری ہی نہیں سمجھے۔ اوور ۔“ ـــــ ونگ کمانڈر نے جواب دیا۔

”اچھا آپ ایسا کریں جائے حادثہ سے ادھر ادھر چاروں طرف پھیل جائیں۔ مجرم یقیناً وہیں کہیں اترا ہوگا۔ اسے ہر حالت میں زندہ گرفتار کرنا ضروری ہے۔ اوور اینڈ آل۔“ ـــــ فریدی نے کہا اور پھر ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔

”بڑا چالاک مجرم ہے۔“ ـــــ حمید نے کہا۔

”ہاں توقع سے زیادہ چالاک ہے۔“ ـــــ فریدی نے جواب دیا۔ اسی لمحے اچانک گولی چلنے کا دھماکا ہوا اور گولی دائیں سائیڈ کا شیشہ توڑتی ہوئی حمید کے سر کے پاس سے گزر گئی۔حمید جو کار چلا رہا تھا بال بال بچا۔اس نے اضطراری طور پر کار روک دی۔

”یہ کس نے گولی چلائی ہے۔“ ـــــ حمید نے کار روکتے ہوئے کہا۔

”بائیں طرف اتر جاؤ جلدی کرو۔شیشہ چونکہ دائیں طرف کا ٹوٹا ہے اس لیے یقیناً حملہ آور اسی طرف موجود ہے۔“

پھر حمید اور فریدی بائیں طرف کا دروازہ کھول کر نیچے رینگ گئے اور پھر اسی طرح رینگتے ہوئے وہ سایہ دار درختوں کی آڑ میں ہو گئے۔ یہ درخت چونکہ کار سے ذرا ہٹ کر تھے۔اس لیے دوسری طرف وہ آسانی سے دیکھ سکتے تھے۔ چند لمحے بعد انہیں ایک سایہ رینگتا ہوا کار کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔ وہ کار کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ پھر آہستہ سے سر اٹھا کر کار کے اندر جھانکنے لگا۔پھر اچانک اچھل کر اس نے کار کا دروازہ کھولا اور دوسرے لمحے وہ سٹیرنگ پر تھا۔

”چابی تم نے اگنیشن میں ہی چھوڑ دی تھی۔“ ـــــ فریدی نے غصے سے کہا۔

”ہاں جلدی مین وہیں بھول آیا۔“ ـــــ حمید نے جواب دیا۔

دوسرے لمحے کار سٹارٹ ہوئی۔ اسی لمحے فریدی کار کے پیچھے بھاگا۔ فاصلہ چونکہ زیادہ نہیں تھا۔ اس لئے وہ جلد ہی کار کے قریب پہنچ گیا۔ لیکن اچانک کار کو سپیڈ میں ڈال دیا گیا۔ فریدی اس کے پیچھے بڑی تیزی سے بھاگنے لگا لیکن کار کی رفتار چونکہ کافی تیز تھی۔ اس لیے فاصلہ لمحہ بہ لمحہ بڑھنے لگا۔ فریدی نے بھاگتے بھاگتے ریوالور کا ٹریگر دبا دیا۔ ایک دھماکہ ہوا اور کار کا ٹائر برسٹ ہو گیا۔ کار کی رفتار میں نمایاں کمی آ گئی ۔ اب وہ بری طرح لہرا رہی تھی۔ فریدی نے رفتار اور زیادہ تیز کر دی۔ حمید بھی اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا لیکن وہ فریدی سے کافی پیچھے تھا۔ فریدی تو جیسے اڑا جا رہا تھا۔ اچانک کار زور سے لہرائی اور پھر ایک درخت سے ٹکرا گئی۔ اسی لمحے ایک سایہ کار سے اچھل کر باہر آ گرا۔ کار کو آگ لگ گئی تھی۔

سایہ زمین پر گر کر جیسے ہی اٹھا۔ فریدی اس کے اوپر ہی آ گرا۔ سایہ نے پھرتی سے کروٹ لی اور فریدی اس کے آگے گھسٹتا چلا گیا۔ وہ سایہ یکدم اٹھ کھڑا ہوا لیکن اس سے پہلے کہ وہ بھاگتا فریدی کے ریوالور سے گولی نکلی اور سایہ لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑا۔ گولی اس کی ٹانگ میں لگی تھی۔ اسی لمحے حمید بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔ اس نے اس سایہ کو چھاپ لیا۔ سایہ نے اس کے پیٹ میں کہنی مارنی چاہی لیکن حمید نے اسے دونوں بازوؤں سے اچھی طرح جکڑ لیا تھا۔ پھر فریدی نے اس کی کنپٹی پر ریوالور رکھ دیا۔ حمید نے جیب سے ٹارچ نکال کر سایہ کے چہرے پر ڈالی تو وہ چونک پڑا۔ وہ ڈاکٹر باقر تھا۔

”حمید گاڑی کی ڈگی سے رسی کا گچھا نکال کر ڈاکٹر کو باندھ دو۔“ فریدی نے حمید کو حکم دیا۔

اور حمید تیزی سے جلتی ہوئی گاڑی کے قریب پہنچا اور پھرتی سے ڈگی کھول کر رسی کا گچھا نکال کر بھاگتا ہوا ڈاکٹر کی طرف بڑھا۔ اسی لمحے ڈاکٹر نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کوئی چیز منہ میں ڈالنی چاہی لیکن حمید نے پھرتی سے جھپٹا مارا اور ڈاکٹر کے ہاتھ سے وہ چیز زمین پر گر پڑی۔ حمید نے اس کے دونوں ہاتھ پھرتی سے پکڑ کر پیچھے باندھ دیئے۔

”حمید ٹارچ کے ذریعے دیکھو ڈاکٹر کے ہاتھ سے کیا چیز گری تھی۔“ ——— فریدی نے کہا اور حمید نے جیب سے ٹارچ نکال کر جب زمین پر اس کی اس چیز پر روشنی ڈالی تو ڈاکٹر سے چند قدم دور ایک سرخ رنگ کا چھوٹا سا کیپسول پڑا ہوا ملا۔ اس نے وہ اٹھا کر فریدی کو دے دیا۔

”تو ڈاکٹر باقر تم خودکشی کرنا چاہتے تھے۔“ ——— فریدی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”تم میرے خلاف کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتے کرنل فریدی۔ تمہیں میری گرفتاری کے لیے جواب دہ ہونا پڑے گا۔“ ——— اچانک ڈاکٹر نے سخت لہجے میں کہا۔

”بے فکر رہو ڈاکٹر باقر عرف ٹرنٹولا میں نے ثبوت حاصل کرنے کے لیے ہی تم پر ہاتھ ڈالا تھا۔ الماری میں موجود محلول کی بوتل میں رکھی

ہوئی فلم اب میرے قبضے میں ہے۔ کیا یہ ثبوت کافی نہیں ہے اس کے علاوہ تم نے ہوٹل تھری سٹار کے تہہ خانے میں اس پرائیویٹ جاسوس کے سامنے جو کچھ کہا تھا اس کا ٹیپ بھی میرے پاس ہے۔"۔۔۔ فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تو۔ تو کیا وہ پرائیویٹ جاسوس تم تھے۔"۔۔۔ ٹرنٹولا نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔ وہ پرائیویٹ جاسوس میں ہی تھا۔"۔۔۔ کرنل فریدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن میری مشین پر تمہارا میک اپ ظاہر کیوں نہیں ہوا۔" ٹرنٹولا نے حیرت سے پوچھا۔

"اس لیے ٹرنٹولا کہ میں فورٹم ریز کی حقیقت سے آگاہ ہو گیا تھا اور میں نے میک اپ میں ہیلن 22 کی بجائے 21 استعمال کیا تھا۔" فریدی نے جواب دیا۔

"اوہ۔ کاش میں اس وقت تمہیں گولی مار دیتا۔"۔۔۔ ٹرنٹولا نے تاسف سے بھرپور لہجے میں کہا۔

لیکن فریدی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور جیب سے ٹرانسمیٹر نکال کر ونگ کمانڈر سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ رابطہ قائم ہوتے ہی اس نے ہیلی کاپٹر وہاں بھیجنے کے لیے کہا اور اس جگہ کی لوکیشن بتا دی۔

چند لمحے بعد ایک ہیلی کاپٹر ان کے سر پر چکر لگانے لگا۔ حمید نے

ٹارچ کے ذریعے اسے کاشن دیا۔ ہیلی کاپٹر نیچے اتر آیا۔ پھر فریدی اور حمید ڈاکٹر باقر عرف ٹرنٹولا کو لے کر اس میں سوار ہو گئے اور ہیلی کاپٹر دوبارہ فضا میں بلند ہو گیا۔

دوسری صبح اخباروں نے ٹرنٹولا کی گرفتاری پر خصوصی ضمیمے شائع کیے۔ ڈاکٹر باقر کی تصویریں بھی شائع کی گئیں۔ فلم میں موجود مواد جس سے صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر باقر ٹرنٹولا کے نام سے دشمن ملک کے لیے کام کر رہا تھا، تفصیل کے ساتھ شائع کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر باقر نے بھی اقبال جرم کر لیا تھا۔ وہ بھی اخباروں میں موجود تھا اور اس کی گرفتاری کا سہرا کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کے سر تھا۔ اس لیے اخباروں نے دل کھول کر ان کی تعریفیں کیں۔

حکومت کی طرف سے اعلان کیا گیا تھا کہ ٹرنٹولا یا ڈاکٹر باقر پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے گا۔ ملک میں امن و امان بحال ہو گیا۔ ہنگامی حالات ختم کر دیئے گئے اور کاروبار زندگی دوبارہ حسب معمول رواں دواں ہو گیا۔ عوام نے سکون کا سانس لیا۔ ادھر حمید کوٹھی میں بیٹھا فریدی کا سر کھا رہا تھا۔

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ کو ڈاکٹر باقر پر شک کیسے ہوا۔" ــــــ حمید نے پوچھا۔

"دراصل یہ ڈاکٹر باقر کی غلطی سے ہوا۔ جس وقت اس نے مجھے قید کر رکھا تھا اور اطلاع ملی کہ ملک میں لوٹ مار، ہنگامے اور سول نافرمانی شروع ہو گئی ہے جو اس کا اصل مقصد تھا تو وہ خوشی کے مارے اچھل پڑا اور اس خوشی کی زیادتی کی وجہ سے وہ ایک فقرہ اپنی اصلی آواز میں کہہ گیا۔ شاید اسے اس وقت احساس بھی ہو گیا ہو لیکن اس نے خیال نہیں کیا۔ میں ڈاکٹر باقر سے کئی بار پہلے بھی مل چکا تھا۔ اس لیے پہچان گیا۔ پھر میں اڈے کی تباہی کے بعد ڈاکٹر باقر سے ملا اور جان بوجھ کر فورٹم ریز کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ ڈاکٹر چونک پڑا پھر اس نے فورٹم ریز کے متعلق بالکل غلط نظریہ سمجھانے کی کوشش کی۔ میرا یقین پختہ ہو گیا کیونکہ میں بخوبی سمجھ رہا تھا کہ ڈاکٹر جھوٹ بول رہا ہے۔" فریدی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"لیکن ڈاکٹر باقر نے ہمارے ملک کو بڑی اچھی ایجادات دی ہیں کیا وہ شروع سے ہی دشمن ملک کا ایجنٹ تھا۔" ــــــ حمید نے دوسرا سوال کیا۔

"نہیں۔ وہ شروع شروع میں ملک کا وفادار ہی تھا لیکن جیسا کہ اس نے اپنے اعتراف جرم میں بتایا۔ ایک حادثہ ہوا۔ اس کی اکلوتی بیٹی جس سے وہ بے پناہ محبت کرتا تھا کو اغوا کر لیا گیا اور پھر اس کی عصمت دری کر کے اسے قتل کر دیا گیا۔ یہ سب کچھ کرنے والا ہمارے

ملک کے ایک بہت بڑے آفیسر کا بیٹا تھا۔ اس لیے معاملہ دبا دیا گیا۔ اس سے ڈاکٹر کے دل میں ہمارے ملک سے بے پناہ نفرت کا جذبہ پیدا ہو گیا اور دشمن ملک نے اس سے بے پناہ فائدہ اٹھایا اور ڈاکٹر ان کے لیے کام کرنے لگا۔“ ـــــ فریدی نے کہا۔ وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

”ٹرنٹولا نے ایک نیک کام کیا کہ قاسم سے ٹھیکیداری پر لعنت بھجوا دی۔“ ـــــ حمید نے ہنستے ہوئے کہا۔

”ہاں۔ لیکن اس بار قاسم نے ہی صحیح معنوں میں ٹرنٹولا کا سراغ لگایا ہے۔ اگر وہ نوجوان کا پیچھا کرتا ہوا وہاں تک نہ پہنچ جاتا اور مجھے رپورٹ نہ ملتی تو نجانے مجھے اور کتنا پریشان ہونا پڑتا۔“ ـــــ فریدی نے ہنستے ہوئے کہا۔

”ایک سوال اور۔“ ـــــ حمید نے کہا۔

”پوچھ لو آج کیا پوچھتے ہو۔“ ـــــ فریدی بھی شاید موڈ میں آ گیا تھا۔

”ٹرنٹولا نے بیک وقت اتنے سینماؤں اور سٹوڈیوز کو کیسے تباہ کر دیا۔“

”یہ سب کچھ ڈاکٹر کی ایجاد کردہ مشینوں کے ذریعے ہوا۔ اس کی تمام تفصیلات ڈاکٹر نے بتا دیں لیکن افسوس وہ تمام مشینیں وہیں اڈے کے ساتھ ہی تباہ ہو گئیں۔“

”کیا لیڈی بہزاد ٹرنٹولا کی شریک کار تھی۔“ ـــــ حمید نے ایک اور سوال کر دیا۔

”ہاں۔ وہ بھی دشمن کی ایجنٹ تھی۔ وہ بھی ہوٹل کے ساتھ ہی ختم ہو گئی۔“

”ویسے آپ کے پوائنٹ تھری والی حسینہ کی دریافت میرے لیے سب سے زیادہ اہم ہے۔“ ـــــ حمید نے اچانک موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

”الو۔ اگر اب تم نے ادھر کا رخ کیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا اور وہ تمہیں گھاس بھی نہیں ڈالے گی۔ وہ جوتی کی زبان سے بات کرنے کی عادی ہے۔“ ـــــ فریدی نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”آپ بے فکر رہیں۔ ڈاکٹر زیتو بے پناہ صلاحیتوں کا حامل ہے۔“ حمید نے سینہ پھیلاتے ہوئے کہا اور فریدی اسے سخت نظروں سے گھورنے لگا۔

”آپ مجھے گھور کیوں رہے ہیں۔ اگر آپ کی نظر اس پر ہے تو بندہ رضاکارانہ طور پر اپنا چیلنج واپس لیتا ہے۔“ ـــــ حمید نے بڑے سٹائل سے سر جھکاتے ہوئے کہا اور فریدی ہنس پڑا۔ پھر اچانک اسے کوئی خیال آیا۔ وہ چونک پڑا۔

”ارے قاسم شاید ابھی تک اس کوٹھی میں موجود ہے۔ میں اسے دھمکی دے آیا تھا کہ اگر وہ میرے آنے سے پہلے اس کوٹھی سے باہر نکلا تو پولیس اسے گرفتار کر لے گی۔“

قاسم دو روز سے اس کوٹھی میں موجود تھا۔ وہ سخت بور ہو چکا تھا۔ فریدی دو روز سے واپس نہیں آیا تھا اور قاسم کرنل فریدی کا حکم ماننے پر مجبور تھا۔ کیونکہ اسے اچھی طرح علم تھا کہ اگر فریدی کے واپس آنے سے پہلے وہ کوٹھی سے باہر نکلا تو پولیس اسے یقیناً قتل کے الزام میں گرفتار کر لے گی۔ گو اسے کوٹھی میں کوئی تکلیف نہیں تھی۔ کوٹھی میں موجود ملازم اسے ہر طرح کا آرام پہنچا رہے تھے لیکن پھر بھی وہ بور ہو چکا تھا۔ اچانک اس نے کچھ سوچ کر فیصلہ کیا اور پھر ایک ملازم کو بلایا۔

''جمن ادھر آؤ۔''۔۔۔۔۔۔چند لمحے بعد ایک ملازم جس کا نام جمن تھا۔ اس کے پاس آ گیا۔

''جناب فرمایئے۔ کیا حکم۔''۔۔۔۔۔۔ملازم نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''میں اور کتنے روز یہاں رہوں گا۔''۔۔۔۔۔۔قاسم نے اس سے پوچھا۔

''مجھے کیا معلوم جناب۔ آپ مرضی کے مالک ہیں۔''۔۔۔۔۔۔ملازم نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''ابے سالے۔ اگر میں مرجی کا مالک ہوتا تو اب تک بھاگ نہ جاتا۔ کرنل صاحب مجھے پھنسا کر بھاگ گئے۔ اب میں یہاں بیٹھا کیا دعائے نجات پڑھا کروں۔''۔۔۔۔۔۔قاسم نے منہ بگاڑتے ہوئے کہا۔ اسے اب فریدی پر بے پناہ غصہ آ رہا تھا۔ جس نے اسے اس کوٹھی میں رہنے کا پابند کر دیا تھا۔

ملازم بے چارہ کیا جواب دیتا خاموش کھڑا رہا۔ کیونکہ ان دو دنوں میں اسے قاسم کے مزاج کا اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا۔

''اب بھاگ بھی۔ کیا منہ میں گھنگھنیاں ڈالے کھڑا رہے گا۔'' قاسم نے اسے خاموش کھڑا دیکھ کر ڈانٹا اور ملازم خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

ابھی ملازم کو گئے چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کمرے میں داخل ہوئے۔

''شکر ہے آپ آ ئے تو سہی ورنہ میں سوچ ہی رہا تھا کہ بھاڑ میں جائے پولیس۔ میں تو باہر نکل جاؤں گا۔''۔۔۔۔۔۔قاسم نے کرنل فریدی کو دیکھ کر کہا۔

''مجھے افسوس ہے میں تمہیں پولیس سے نہ بچا سکوں گا کیونکہ تمہاری

اس کوٹھی میں موجودگی کی اطلاع پولیس کو دے دی گئی ہے۔ اب وہ تمہیں گرفتار کرنے کے لیے آنے ہی والی ہے۔‘‘ ـــــ فریدی نے انتہائی سنجیدگی سے کہا اور قاسم کا رنگ فق ہو گیا۔ اس نے انتہائی کڑوی نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔

’’یہ تو میرا اجلی دشمن ہے۔ میں تو اس کے مرنے پر روتا رہا۔ گلتی کی۔‘‘ ـــــ قاسم نے حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

’’تو کیا تم میرے مرنے پر خوش ہوتے۔‘‘ ـــــ حمید نے مزے لینے کے لیے کہا۔

’’ہاں سالے۔ اب اللہ کرے تم مر جاؤ تو میں گھی کے چراغ جلاؤں گا۔ پلاؤ کی دیگیں پکاؤں گا۔ کھوشیاں مناؤں گا ناچوں گا، گاؤں گا۔‘‘ قاسم نے مٹکتے ہوئے کہا۔

اور حمید کے ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ فریدی بھی مسکرا رہا تھا۔ پھر اچانک قاسم کو پولیس کا خیال آ گیا۔ اس نے فریدی کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

’’کرنل صاحب خدا کے لیے مجھے پولیس سے بچا لیجئے۔ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ آئندہ سالی جاسوسی نہیں کروں گا۔ بھاڑ میں جائے سالی جاسوسی ماسوسی۔‘‘ ـــــ قاسم کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔ پھانسی کا پھندا اسے اپنی آنکھوں کے آگے صاف نظر آ رہا تھا۔

فریدی نے اسے زیادہ ستانا مناسب نہ سمجھا۔

’’قاسم بے فکر رہو۔ وہ نوجوان جو تمہارے ہاتھوں مارا گیا مجرم تھا ٹرنٹولا کا ساتھی تھا۔ اس لیے تمہیں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔‘‘

اور قاسم کا چہرہ یہ سن کر اور بھی زیادہ زرد پڑ گیا۔

’’باپ رے باپ۔ ٹرنٹولا کا ساتھی۔ ٹرنٹولا سالا پہلے ہی میری ٹھیکیداری سے خار کھاتا ہے اب تو مجھے یقیناً گولی مار دے گا۔‘‘ قاسم نے انتہائی خوفزدہ لہجے میں کہا۔

’’ٹرنٹولا پکڑا جا چکا ہے۔ اب وہ تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔‘‘ فریدی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

’’کیا کہا پکڑا جا چکا ہے۔ شکر ہے خدا کا میری جان تو چھوٹی۔‘‘

قاسم کے چہرے پر اطمینان کے آثار ظاہر ہوئے۔

’’اب تم ٹھیکیداری دوبارہ شروع کر سکتے ہو۔‘‘ ـــــ حمید نے اسے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

’’بھاڑ میں جائے سالی ٹھیکیداری۔ پھر کوئی اور ٹرنٹولا آ گیا تو مارا جاؤں گا۔‘‘ ـــــ قاسم نے جواب دیا۔

’’فریدی صاحب یہ ٹرنٹولا کا مطلب کیا ہے۔‘‘ ـــــ قاسم کو اچانک کوئی خیال آ گیا۔

’’ٹرنٹولا ایک خوفناک مکڑی کو کہتے ہیں۔‘‘ ـــــ فریدی نے بتلایا۔

’’مکڑی۔ اور وہ بھی خوفناک۔ باپ رے۔ پھر آپ نے اسے کس طرح پکڑا شاید چمٹی سے پکڑا ہو گا۔‘‘ ـــــ قاسم نے انتہائی خوفزدہ

انداز میں کہا۔

اور فریدی اور حمید کے قہقہوں سے کمرہ گونج اٹھا۔ قاسم ہونقوں کی طرح منہ کھولے انہیں اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے دونوں کے دماغ خراب ہو گئے ہیں۔

ختم شد

مظہر کلیم ایم اے